آفتاب دمشق، مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی کا اس نام سے ایک نیا ناول شایع ہوا ہے، جسمیں خلافت راشدہ کے زمانہ کے مجاہدانہ کارناموں کو عشق و محبت کی داستان میں پیش کیا گیا ہے، یونس اور سلمونیہ اس ناول کے ہیرو ہیں، یونس یقیناً کوئی صحابی یا تابعی ہے، مگر وہ جس طریقہ سے اظہار عشق کرتا ہے اس میں تقدس کی بو تک نہیں آتی، یونس سلمونیہ سے پہلی مرتبہ ایک خفیہ مکان میں ملتا ہے، یہ صورت واقعہ اس عہد کے مقدس اخلاق کی غلط تصویر ہے، پہلی ہی ملاقات میں یونس اظہار عشق کرنے لگتا ہے فریضۂ تبلیغ سے بالکل غافل ہے، خلیفہ کا پیغام جس اچانک طریقہ سے اہل شام کی محفل عید کو درہم برہم کر دیتا ہے، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا اصول تھا، "اسلام یا جنگ"، رومنس جس طریقہ سے اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ کر خالد سے ملتا ہے اس سے اسلام کی حقانیت ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ رومنس کی قومی غداری کا ثبوت ملتا ہے، دشمن نے ہر موقع پر صحابہ کو وحشی، غیر مہذب اور ناخدا ترس کہا کسی موقع پر کسی دشمن نے فضائلِ صحابہ کا اعتراف نہیں کیا نہ سارے قصہ میں ایسے واقعات ہیں جو ان کے اس الزام کو دفع کرتے ہوں، مولوی صاحب کو نثر نگاری کے ساتھ عشق ہے، مگر اس کے لئے صرف خودکشی کا ایک طریقہ ہر جگہ موزون نہیں ہے؛ اصل یہ ہے کہ افسانہ نویسی کے بھی مختلف شعبے ہیں، مولوی صاحب موصوف، ہندوستان کی زنانہ معاشرت، بول، چال، رسوم و رواج اور اُن کے متعلق مصلحانہ خیالات کو ان کے مذاق کے مطابق خوب ادا کر سکتے ہیں، اس لئے اس کامیاب شعبہ فن کو چھوڑ کر کسی نئے انداز میں کامیابی مشق و مہارت چاہتی ہے، کتاب اچھی چھپی ہے، قیمت عہ، پتہ عبد الرشید اینڈ برادرس لوہاری دروازہ لاہور

جوئے شیر، خان بہادر حاجی حکیم عبد الرحیم صاحب نے اس کتاب میں دودھ کے استعمال کی مختلف طبی صورتیں یکجا کرائی ہیں، اون کا خیال ہے کہ دودھ چند ترکیبوں کے بدلنے سے مختلف امراض کا علاج ہے، قیمت ۸ر پتہ عبد الرزاق تاجر کتب قادریہ بک ڈپو موچی بازار معسکر بنگلور،

مجلد دوازدہم	ماہ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۳ء	عدد چہارم

مضامین

شذرات

اکتوبر کا پرچہ، تین ہفتہ کی تاخیر سے شایع ہو رہا ہے، ناظرین معارف کے بیتابانہ خطوط اور اون کے انتظار کی برہمی شکایت نہیں، بلکہ شکریہ کی مستحق ہی، کہ وہ ان چند اوراق کے مجموعہ کو اس درجہ محبوب و عزیز رکھتے ہین کہ اوس کے قدوم کی چندروزہ تاخیر بھی اون کو مکدر اور ملول کر دیتی ہی، یہ اتفاقی تاخیر، میری علالت اور ایک ضروری سفر کے باعث پیش آئی، آیندہ پرچہ بھی تیار ہی اور کوشش ہی کہ وہ وقت پر شائع ہو،

کہا جاتا ہی کہ ہندوستان قدیم کے خمیر مین گو ریاضیت، فلسفیت اور ادبیت کے تین عناصر ابتدا سے پائے جاتے ہین، مگر تاریخیت کے چوتھے عنصر کی اوس مین ہمیشہ کمی رہی، یہی سبب ہی کہ ہندوستان کے پرانے علمی ذخیرہ مین تاریخ کا سرمایہ بمنزلہ صفر ہے، لیکن یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہی کہ ہندوستان کے پرانے فرزند، کچھ تو مسلمانون کی آمد کے بعد سے اور کچھ موجودہ تعلیم کے اثر سے اس کمی کو جلد ہی جلد ہی پوری کر دینا چاہتے ہین، مگر آپ جانتے ہین کہ جو غذا اچھی طرح چبائی نہین جاتی اور جلد جلد کھائی جاتی ہی وہ عموماً بدہضمی پیدا کرتی ہی، موجودہ جدید ہندو تعلیم یافتہ مؤرخین، یا علم تاریخ کے شایقین نے تاریخ نگاری کا جو نمونہ اپنے سامنے رکھا ہی، وہ ہندوستان کا پرانا نمونہ **مہابھارت** اور **رامائن** ہی، جس مین افسانہ کو تاریخ کا لقب دیا جاتا ہے، یا یورپ کی جدید تنقیدی تاریخ کا طرز ہی، جس مین تاریخ افسانہ بن جاتی ہی،

ہمارے پاس ملک کے گوشون سے اکثر احباب، انگریزی اخبارات و رسائل کے ایسے مضامین کے ٹکڑے کاٹ کر اس غرض سے بھیجا کرتے ہین کہ معارف مین اون کی تصحیح کی جائے اور اون کے جوابات لکھے جائین

اس سلسلہ مین قابل ذکر ہند و اہل قلم جدو ناتھ سرکار ہین، جنھون نے اپنی علمی زندگی کا نصب العین عموماً سلاطین تیموری کی تاریخ، اور خصوصاً اورنگ زیب عالمگیر کے واقعات کو قرار دیا ہے، اون کی مستقل تصنیفات کے علاوہ ہر دوسرے تیسرے مہینہ انھین مباحث پر انکے مجوب رسالہ ماڈرن ریویو کلکتہ مین انکے مضامین نکلتے رہتے ہین، بنگالی اور مرہٹی افسانہ نویسون نے تیموری بیگمات کے حسن و عشق کے افسانون کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ ناواقف ہندو اصحاب اون کو تاریخی واقعات یقین کرنے لگتے ہین،

سلاطین تیموری مین، سب سے زیادہ بدنام مسلمان بادشاہ **عالمگیر** ہی، اوس کو دوست و دشمن مشرقی و مغربی تمام مصنفین زہد پیشہ اور متقی جانتے ہین، مگر سرکار نے بڑی محنت سے فراین عالمگیری نام کسی "کہنہ مجموعہ" کا پتہ لگایا ہی، اور جس کو مع انگریزی ترجمہ کے چھاپا بھی ہی، اور اوس کی سند پر اوسکے ایک خوش جمال کنیز پر فریفتہ ہو کر غش کھا کر گر جانے کی ایک داستان مشتہر کی ہی،

ایک مرہٹی افسانہ نویس نے ایک قصہ گھڑا ہی کہ روشن آرا دختر عالمگیر، سیواجی پر دل و جان سے عاشق تھی، اور اوسی "محبوبۂ حرم"، کی کوششون کا نتیجہ تھا کہ سیواجی دلی کی نظر بندی سے بھاگ کر نکل سکا، اور اپنے ساتھ اپنی شیدا کو بھی دلی کے محل سے نکالکر دہاراشٹر کے پہاڑی قلعہ مین لے آیا، بمبئی مین آجکل ایک ناٹک کھیلا جا رہا ہی، جس مین مہر النسا، نامی اکبر کی ایک فرضی لڑکی ایک راجپوت پر عاشق ہوتی ہی،

چند روز ہوئے کہ ہمارے پاس ایک دوست نے "امرتا بازار پتریکا" مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۲۳ء کا ایک ٹکڑا کاٹکر بھیجا ہی، جس مین "پرنسلی انڈیا" مصنفہ ہیم چندر رائے ایم اے (بنگال) کے حوالہ سے "حرم سرائے مغل اعظم" کے زیر عنوان ایک کالم کا مضمون شائع ہوا ہی، جس مین نہایت بیباکی سے روشن آرا، اور سیواجی کے فرضی قصہ کا

حوالہ دیکر اورنگ زیب کی ایک فرضی بیوی گلنار بیگم کا قصہ لکھا گیا ہے، راجہ جسونت سنگھ عالمگیر کا ایک دلپسند
افسر تھا، جس کو اوس نے آخر مین کابل کی حکومت تفویض کی تھی، راجہ کے مرنے پر عالمگیر نے اوس کے دونون
بیٹون کو اپنی تربیت مین لینے کا ارادہ کیا تھا، مگر رانی اپنے بیٹون کو لیکر راجپوتون کی مدد سے چل کھڑی
ہوئی تھی، اس مصنف نے واقعہ کو گلنار اور رانی کی باہمی عداوتون پر محمول قرار دیا ہے، اور یہ دکھایا ہے،
کہ رانی اور اوس کے بیٹون کے ساتھ عالمگیر کا یہ طرز عمل گلنار کی فرمائشون کی تعمیل تھی، اور عالمگیر سا بادشاہ جس کو
ہر مورخ مستقل مزاج اور خود رائے کہتا ہے، وہ ہیم چندر رائے کی تحقیق مین زن مرید تھا،

شتر مرغ آپ جانتے ہین کہ ایک عظیم الجثہ پرندہ ہے، اوس کی نسبت فارسی مین ایک قصہ ہے، کہ جب ایک
ایرانی شکاری نے اوس کو پرندہ سمجھکر شکار کرنا چاہا تو اوس نے کہا کہ مین تو شتر (اونٹ) ہون، اور جب اوسکو
اونٹ سمجھکر اوس نے اپنا سامان اور اسباب لادنا چاہا، تو اوس نے معذرت کی کہ مین تو مرغ ہون، اسباب لادنا
میرا کام نہین، بعینہ اسی طرح یورپ نے تاریخی افسانہ کے نام سے ایک "علمی شتر مرغ" خلق کیا ہے، ناظرین کے
سامنے اوس کو پیش کیا جاتا ہے تو یقین دلایا جاتا ہے، یا یہ یقین پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ سرتاپا تاریخی ہے،
اور جب آپ اوس پر تاریخی حیثیت سے اعتراضات کرینگے کہ اس کے یہ مندرجہ واقعات اصلیت سے خالی ہین،
تو جواب ملے گا کہ یہ افسانہ ہے، اس مین تاریخ سے تطبیق کی تلاش کیون ہے؟ یورپ مین افسانہ نویسون نے اسی لٹریچر
کے ذریعہ سے ترکون کی اخلاقی اور خانگی زندگی کی یورپ مین بدترین تشہیر کی ہے، اور اب اوسی قسم کا پروپگنڈا
مسلمان سلاطین کے خلاف یورپین افسانہ نویسون کے بہترین مقلد بنگالی، مرہٹی اور گجراتی افسانہ نویس پھیلا
رہے ہین، کیا وہ بتا سکتے ہین کہ وہ اس طریقہ سے ملک یا علم کس کی خدمت انجام دے رہے ہین؟

ایک دفعہ ایک انگریزی خاتون سے زیر سایہ برطانیہ ہندوستان کی تعلیمی ترقی پر گفتگو ہو رہی تھی، مین نے

کہا کہ لکھنا پڑھنا، دنیا کے دوسرے پیشون اور حرفتون کی طرح ایک پیشہ اور حرفت ہے، اس مین شک نہین کہ
ہندوستان کے لوگ اب اس پیشہ اور حرفت کو پہلے سے زیادہ جانتے ہین، مگر درحقیقت اصلی اور حقیقی تعلیم جو تربیت سے
عبارت ہے، ہندوستان اوس سے روز بروز عاری ہوتا جاتا ہے، اب شرفائے ہند مین اون کے اسلاف کی سی شجاعت
سپاہیانہ بہادری، عزم استقلال، علوئے ہمت، خودداری، سچائی، سادگی، نیکی، اور بد اخلاقانہ نقائص سے
پاکی کہان ہے؟ اب اگر لکھنے پڑھنے والے پہلے سے زیادہ ہین، تو ہندوستان تو ہندوستان، یورپ بھی مذہبی
تعلیم چھوڑکر، اور مدنی تعلیم اختیار کرکے پہلے سے بہت زیادہ بدتر اور فروتر ہوگیا ہے، قدیم طرز تمدن مین، اگر عیش
پرست صرف سلاطین اور امرا ہوتے تھے، تو اب جدید تمدن کے بدولت یہ سعادت عوام اور قلیون تک
پہنچ گئی ہے،

احاطۂ بمبئی ہندوستان کے اون خوش قسمت صوبون مین ہے جو نئی تعلیم کے برکات سے سب سے زیادہ
بہرہ مند ہے، لیکن تعلیم کے اس بہتات کے ساتھ، تربیت کی اس کمی کو ملاحظہ کیجئے، کہ سنہ ۱۹۲۲ء مین وہان ایک لاکھ
پچھتر ہزار دیوانی مقدمات دائر ہوئے، فوجداری کے جرائم کی تعداد ایک لاکھ اٹھتر ہزار رہی، مجرمون کی تعداد
دو لاکھ ساڑھے بائیس ہزار تھی، جن مین سے صرف ایک لاکھ اڑتالیس ہزار مجرمون کے نام سے سزایاب ہوئے
کیا تعلیم کی افراط تربیت کے نقص کی کچھ بھی تلافی کر سکی؟

اردو کے لطیف انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم (افادی الاقتصادی) کی یاد اب تک اون کے قدردانون
کے دلون مین باقی ہوگی، مرحوم کی زندگی کی خاص خصوصیت لطافت پسندی تھی، جس سے اون کی زندگی کا
کوئی شعبہ خالی نہ تھا، رہنا سہنا، پہننا اوڑھنا، پڑھنا، لکھنا، سفر اور قیام، خیال اور تصور، تحریر اور تقریر
ہر شے مین اون کی یہ خصوصیت نمایان تھی، مولانا شبلی مرحوم کے لٹریچر کے وہ شیدا تھے، وہ ڈھونڈھ کر

عمدہ سے عمدہ لفافے اور کاغذ مولانا کے پاس بھیجتے تھے کہ وہ ان پر اون کو خط لکھین، جب دار المصنفین سے کتابین منگواتے تھے تو فرمایش ہوتی تھی کہ کتاب کی ایک ایک فرد دیکھ لی جائے کہ وہ داغدار نہو، پیکٹ بھدا نہ بندھے، وہ خود لطیف اور جنس لطیف کے پیچھے ناقد، عاشق اور قدردان تھے، اون کی تحریر کا طرز بھی اِسی انداز کا تھا، وہ ایک نہایت ہی لطیف طریقۂ انشا کے اُردو مین موجد تھے، جو پستی و ابتذال سے پاک، اور شگفتگی اور رنگینی سے معمور ہوتا تھا، اون کے رنج کے خطوط بھی اسی عطر مین ڈوبے ہوتے تھے، اور اپنے مراسلت رکھنے والون سے بھی اِسی اہتمام اور توجہ کے طالب رہتے تھے، اون کے مضامین ۱۸۹۶ء سے ۱۹۲۱ء تک متعدد رسائل مین طبع ہوتے رہے،

اللہ تعالیٰ نے اون کو ایک رفیقۂ زندگی (بیوی) بھی اونھین کے خیال کے مطابق عطا کیا تھا، اور یہ سب سے بڑی دولت ہے جو ایک شوہر کو میسر آسکتی ہے، مرحوم نے اونکی تعلیم و تربیت اپنے ہی اصول پر کی تھی کہ وہ بالکل اونکا عکس اور آئینہ بن گئین، انتہا یہ ہے کہ طریقۂ تحریر اور خط مین بھی اپنے شوہر مرحوم کی پوری تقلید اونھون نے کی، اب جب کبھی اونکا خط آتا ہے، دل کانپ جاتا ہے کہ آہی! مہدی مرحوم کی تحریر!

مہدی بیگم نے اپنے شوہر کی زندگی مین اونکی بہترین خدمت کی ہوگی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اونکے مرنے کے بعد جو خدمت اونھون نے اپنے شوہر کی انجام دی، وہ گذشتہ سے بدرجہا بہتر اور گران تر ہے، اونھون نے اپنے شوہر کے متفرق مضامین اور تحریرون کو اخبارات اور رسائل کے پرانے فائلون سے نکالکر یکجا جمع کیا، اور اونکا ایک مجموعہ، نہایت صفائی، عمدگی، اور حسن سلیقہ کے ساتھ بہترین کاغذ پر چھپوا کر شایع کیا ہے، اور اوس کا نام **افادات مہدی** رکھا ہے، مہدی مرحوم کی جسمانی اولادین متعدد ہین، مگر اون کی یہ روحانی اولاد ہمیشہ یادگار رہیگی،

مقالات

ارضِ مقدس کی داستان

بہار خلافت کانفرنس کے خطبۂ صدارت

کا

ایک حصّہ

از

سید سلیمان ندوی

دنیا کی گذشتہ مہیب جنگ جس مین حیوان صفت اِنسانون نے درندون اور بھیڑیون کی طرح ایک دوسرے کو چیرا اور پھاڑا، اور اس کا نام اپنی اصطلاح مین "نوعِ اِنسان کی عظیم الشان ترقی اور تکمیل" رکھا، اوس کو ختم ہوئے چند سال گذر چکے، بڑی بڑی کانفرنسون اور معاہدون نے اختتام جنگ کا بار بار اعلان کیا، ملکون ملکون صلح کے جشن منائے گئے، کامیابیون کی یادگارین بنائی جارہی ہین، فتوحات کے منارے کھڑے کیے جارہے ہین، اور انسانیت کو اوس کی بقا، اور تحفظ اور جنگ کے شر عظیم سے نجات پانے کی خوشی مین مبارکبادین دی جارہی ہین، اور امن و سلامتی کے گیت اور ترانون سے فاتح قومون کے شہر اور دیہات گونج رہے ہین، مگر حقیقت مین نظر سے پوچھو کہ کیا اوس کو امن و سلامتی کے اندرونی مناظر بھی کہین نظر آتے ہین؟ دلون کے گوشون مین، سکون طمانیت کی کوئی لہر ہے؟ قومون کے جذبات اور تحریکات مین امن پسندی کی کوئی جھلک ہے؟ سمندر کی ظاہری سطح کیقدر ساکن ہو، مگر اندر کی سطح مین لہرون کی تڑپ، موجون کی جنبش، طوفان کی برہمی، سب کچھ موجود ہے، جہانتک

مسلمانون کا تعلق ہو اوس وقت تک سکون و اطمینان کی دولت دنیا کو میسر نہین آسکتی، جب تک جزیرۃ العرب کا مسئلہ اون کے منشار کے موافق طے نہ ہولے، جزیرۃ العرب دنیا کی دوسری قومون کے نزدیک ایک خشک، بنجر، بے آب وگیاہ صحرا، ریگستان اور کوہستان ہو، لیکن اسلام کے نزدیک یہی اوس کی سب سے بڑی دولت، یہی اوس کی سب سے بڑی متاع، یہی اوس کا سب سے بڑا خزانہ ہو، جس پر وہ اپنی ہر دولت نثار، اپنی ہر متاع قربان، اور اپنا ہر خزانہ نچھاور کرنے کو طیار ہو، جزیرۃ العرب کیا ہو؟ پیغمبرون کا مولد، انبیاء کا مسکن، رسولون کا موطن، اسلام کی زندگی کا سرچشمہ، قرآن کا مہبط، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مدفن، صحابۂ کرام کی کوششون کا جولانگاہ، ائمہ اور بزرگون کا خوابگاہ! وہ **حجاز** ہی کی سرزمین تھی جہان آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا کی زمین پر قدم رکھا، اور کعبۃ اللہ عرش الٰہی کا اس عالم مادی مین سایہ اور تمثال بنا، اور اسلیئے وہ دنیا کے آخری پیغام سننے والون کا قبلہ اور مرکز بنا، **عراق** وہ سرزمین ہے جہان سے نوح کا طوفان اُٹھا، یہ وہ مقام ہو جہان "مسلم اول" ابراہیم خلیل اللہ نے وجود پاکر آذر کا بتخانہ اور نمرود کا دار الغرور توڑا، اور اس طرح یہ اسلام کا پہلا گھر ہو، جہان مسلمانون کا پہلا گھرانا آباد ہوا، یہی وہ سرزمین ہو جہان یونس نے گنہگارون کو اپنی دردناک آواز سے پکار کر اون کے دلون کو متاثر اور آنکھون کو اشکبار کیا،

شام زمین کا وہ گوشہ ہو جہان ربانی رحمت کے چشمہ بار بار اُبلتے رہتے اور ہدایت الٰہی کی بجلیان دم بدم کوندتی رہین، ابراہیم خلیل اللہ کا دار الہجرۃ، اون کے مقدس سیاحت کی منزل، اور اون کے جسد اطہر کا خوابگاہ، اور اون کے نسل اسحٰق کے ہزارون پیغمبرون کا مولد و مدفن ہو، یہین وہ بیت المقدس ہو جو داؤد و سلیمان کی تعمیر، انبیاء کا مذبح، معراج محمدی کی پہلی منزل، مسلمانون کا شش ماہہ قبلہ، اور اسلام کا قبلہ حرم ہو، آگے بڑھکر بحر میت کا کنارہ لوط کا خیمہ گاہ ہو، بحر احمر کے کنارہ مدین کی زمین شعیب کا وطن اور حضرت موسیٰ کی ہجرت گاہ ہو، اسی کے قریب حضرت ایوب کا خیمہ تھا، اس کے بعد تبوک کے قریب

ثمود کا مسکن اور حضرت صالح کی وحی کا مہبط تھا، یمن قبیلۂ عاد کی یادگار اور حضرت ہود کی نبوت کا مقام تھا، حجاز کو کیا کہون کہ اوس کا ذرہ ذرہ اسلام کے آسمان کا ستارہ، اور اوس کی گلی گلی جبریل امین کی منزل، اور چالیس کروڑ قلوب کا مرکز و مرجع ہو، جس طرف دن مین پانچ بار لاکھو پیشانیان گرتی اور اوٹھتی رہین، یہی وہ "وادی غیر ذی زرع" ہو، جہان ایک مقدس باپ نے اپنے ایک مقدس بیٹے کو خدا کے نام پر بھینٹ چڑھایا، جہان ایک مقدس شوہر نے اپنی عفیف بیوی اور اکلوتے بچے کو صحرائے بے نام و نشان مین چھوڑ کر خدا کے حکم کی بجا آوری کی، یہی وہ مقام اقدس ہو جہان ایک بزرگ باپ نے معمار اور ایک فرمانبردار بیٹے نے مزدور بنکر خدا کا پہلا گھر بنایا، اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ اسی کی شان، اور اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ اسی کی خبر ہو، یہین ایک پتھر کی چٹان پر کھڑے ہوکر ابراہیم و اسمٰعیل نے تمام نسل انسانی کی بھلائی کے لیئے نبی امی کے ظہور کی دعا مانگی تھی ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم، (بقرہ) وہ نبی امی جب ظاہر ہوا، تو شہر مکہ اوس کا مولد، اور مدینہ اوس کا مدفن ہوا، یہی وہ شہر ہی جہان ہدایت کا آخری سرچشمہ اُبلا، یہین وہ بلد امین ہو جس کی خدائے عزیز نے قسم کھائی، یہین وہ حرم ہے جس کو خدا نے امن کا گھر اور مخلوق کا مرجع بنایا، وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا

غرض اس سرزمین کا کون سا گوشہ ہو جو ہماری عقیدت گاہ نہین، جہان شہدائے اسلام کے خون کے قطرے نہین گرے، جہان اسلام کے اولیاء اور امامون کا مدفن نہین، جہان اسلام کی سیزدہ صد سالہ عزت و وقار کا خزانہ دفن نہین، یہی وہ حدود ہین جہان اسلام کی پہلی تاریخ بنی، جہان اسلام کی تہذیب و تمدن کی شعلین روشن ہوئین، **حجاز** خلافت راشدہ کا گہوارہ، **شام** خلافت بنی امیہ کا گھر اور **عراق** خلافت عباسیہ کا مہد ہو، یہی وہ آبادیان ہین جہان علوم اسلامیہ کی ترتیب و تدوین ہوئی، **بصرہ** حسن بصری کا مرقد اور علم کلام کا مولد، **کوفہ** علی مرتضیٰ اسد اللہ الغالب کی شہادتگاہ، اور آہ یہین

فرات کے کنارے خانوادۂ نبوت کا مظلوم کاروان لٹا تھا، حسینؓ کا مشہد، علی اصغرؓ واکبرؓ کا مقتل، عباسؓ کی شہادتگاہ ہی، یعنی بہتر مقدس نفوس کے خون کا فوارہ یہین بہا تھا، الحاصل اسلام کی تاریخ کا خلاصہ اور مسلمانون کی دولت کا گنج گرانمایہ اسی جزیرۂ عرب کے کھنڈرون، صحراؤن، ریگستانون اور ویرانون مین مدفون ہی،

چپہ چپہ پہ ہے یہان گوہر یکتا تہ خاک　　دفن ہوگا نہ کہین ایسا خزانہ ہرگز

اس تفصیل کے بعد دنیا کے ہر منصف مزاج سے اپیل ہی کہ فیصلا کرے کہ اس ارض قدس کی امانت دنیا کی کس قوم کے سپرد ہونی چاہیئے؟ یہود آگے بڑھین گے لیکن اون سے کہدیا جائیگا کہ بابل اور شہر یروشلم کے سوا تم کو جزیرۂ عرب کے اس وسیع حدود مین سے اور کس کا دعویٰ ہے؟ اور پھر تم عیسیٰؑ روح اللہ کے انکار سے یروشلم کی امانت کے مستحق نہ رہے، عیسائی آگے بڑھینگے اون سے کہا جائیگا کہ تم نے مسیح کی بشارت کی قدر نہ جانی اور آخری پیغام کی تکذیب کی اسلیئے یہ امانت اون فرزندان ابراہیمؑ کا حصہ ہی جو نسل ابراہیمؑ کے ہر پیغمبر کو برابر کی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہین، اور لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ جن کا اعلان ہی، کہ وہی یہود ونصاریٰ کے دو بڑون کے درمیان عدل و انصاف کا توازن قایم رکھ سکتے ہین، توراۃ کی زبان مین جزیرۃ العرب کا نام ارض مقدس ہی خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تو داہین بائین آگے پیچھے دیکھ یہ ساری زمین مین تجھکو اور تیری نسل کو ابدالآباد کے لیئے دیتا ہون، فرمایا کہ تیری نسل کو بڑھاؤن گا اور اوس کو برکت دونگا، اور وہ اس ساری زمین کی مالک ہوگی، اگر تو ریگ کے ذرون کو اور آسمان کے تارون کو گن سکتا ہی تو اپنی نسل کو گن سکیگا، حضرت اسمٰعیلؑ کو خدا نے برکت دی، اور برومند کیا جیسا کہ اوس کا وعدہ تھا، اور جیسا کہ خدا نے کہا تھا، اون کی نسل سے بارہ سردار پیدا ہوئے، جنھون نے ارض اقدس یعنی ارض عرب کے بڑے حصہ کا احاطہ کر لیا، اور نسلاً بعد نسلٍ یہ امانت اون کی اولاد مین نسل ابراہیمؑ کے آخرین پیغمبر کے ظہور تک چلی آئی، اور اس سرزمین کے جو متفرق حصے ایران، روم اور یہود کے قبضہ مین تھے، وہ ایک ایک کرکے لوائے محمدی کے نیچے جمع ہوگئے، حضورؐ کا شب معراج مین بیت المقدس تک معجزانہ سفر اور مسجد سلیمانی مین تمام انبیا کی امامت فرما کر دوگانہ ادا کرنا اوسی تکمیل بشارت کی طرف اشارہ ہے،

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ۝

پاک ہی وہ خدا جو اپنے بندہ کو ایک رات مین مکہ کی مسجد (کعبہ) سے شام کی مسجد (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے چارون طرف ہم نے برکت دی ہی،

اوسی برکت کی طرف اشارہ ہی، جو خدا نے ابراہیمؑ کی زبان سے عطا کی تھی، ہر مسلمان جو خلیل اللہ کے کعبہ کی طرف منہ پھیر کر خدائے عزیز کا نام لیتا ہی وہ اپنی دعاؤن کا آخری فقرہ یون ادا کرتا ہی،

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ ۝

اے خدا! تو اپنی برکت محمدؐ اور آل محمدؐ پر اوسی طرح نازل کر جس طرح تو نے اپنی برکت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر نازل کی تھی،

محمدؐ اور آل محمدؐ کی برکت کی تمثیل ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کی برکت کے ساتھ اسی رمز کو ظاہر کرتا ہی، کہ جو کچھ ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کو عطا ہوا تھا وہ سب کچھ محمدؐ اور آل محمدؐ کی وراثت مین منتقل ہوگیا، ابراہیمی کعبہ کی جب دیوارین اٹھ رہی تھین تو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو حکم ہوا تھا کہ میرا گھر ہر قسم کی آلودگیون اور نجاستون سے پاک و صاف رہے، یہ صرف عبادت گذارون، گوشہ گیرون، اور میرے پرستارون کے لیئے ہمیشہ خاص رہے،

وَطَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

اور تم دونون میرے گھر کو طواف کرنے والون، اعتکاف مین بیٹھنے والون اور رکوع اور سجدہ کرنیوالون کے لیئے پاک کرو،

اسلام نے جس طرح اپنے مذہب اور شریعت کے ایک ایک جز کو اپنے روشن بیان سے منور کردیا ہی اوسی طرح ارض اقدس کی تقدیس و تطہیر کے ضروری مقصد کو بھی اجمال و ابہام کی تاریکی مین گم نہین کردیا، اس ارض قدس کی تحدید اور تعیین مین کوئی اجمال اور ابہام باقی نہین چھوڑا، اور اوس کے متعلقہ احکام کی تفصیل مین کوئی کمی باقی نہین رکھی، یعنی اوس وقت جب نسل ابراہیمی کے آخری پیغمبر کے عہد مین خلیل بت شکن کا کعبہ بتون سے

بتون کی نجاستون سے پاک ہوا، حکم الٰہی نازل ہوا،

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ	شرک کے پرستار نجاستون مین آلودہ ہین اسلئے وہ اس
بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا،	پاک مسجد کے آس پاس بھی امسال کے بعد نہ آئین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر حضرت علی حضرت ابوہریرہ اور متعدد صحابہ کو بھیجا کہ موسم حج مین جاکر اعلان کردین کہ آج سے کوئی دین ابراہیمی اور ملت حنیفی کا غیر مومن اس مسجد ابراہیم کے پاس پھٹکنے کا کوئی حق نہین رکھتا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نبوت کا جو فرض ادا کیا، اوس مین مجاہدات اور غزوات کا بڑا حصہ ہی، لیکن یہ تمام مجاہدات اور غزوات صرف اسلئے تھین کہ ارض اقدس کو کفر و شرک اور تثلیث و تکثیر کی نجاستون اور آلودگیون سے پاک و صاف کیا جائے، قریش سے لڑائیان کعبۂ خلیل کی تقدیس کے لحاظ تھین، بحرین، عمان، اور یمن مجوسیون سے صلح و آشتی سے حاصل کیا گیا، مدینہ سے خیبر اور حدود شام تک کا علاقہ یہودیون کے تصرف سے نکالا گیا، شام کا صوبہ مسیحی رومیون سے بزور شمشیر چھینا گیا، عراق کی سرزمین یزدان و اہرمن پرست کسرٰی کے تسلط سے پاک کی گئی اور اس طرح عہد نبوی مین خالص ملک عرب اور خلافت فاروقی مین پورا جزیرۂ عرب اسلامی اقتدار مین آگیا،

غرض اسلام کو جیسے جیسے اقتدار حاصل ہوتا جاتا تھا ارض اقدس نامسلمانون سے پاک ہوتا جاتا تھا، مدینہ کے آس پاس بنو قینقاع، بنو حارثہ، بنو نضیر وغیرہ جو یہودی قبائل آباد تھے، اون کو مناسب اسباب کے پیدا ہونے پر وہان سے ہٹا کر شام کی طرف جگہ دی گئی، صحیح مسلم مین حضرت ابن عمر سے روایت ہی،

ان یہود بنی النضیر و قریظۃ حاربوا	بنو نضیر اور قریظہ کے یہود آنحضرت صلعم سے لڑے، تو
رسول اللہ صلعم فاجلی رسول اللہ صلعم بنی النضیر واقر قریظۃ	آپ نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا، اور قریظہ کو برقرار رکھا
ومن علیہم حتی حاربت قریظۃ بعد	اور اون پر احسان کیا، یہان تک اونھون نے اس کے
ذالک فقتل رجالھم وقسم نساءھم	بعد جنگ کی تو آپ نے (اونھین کے پسند کردہ حکم کے

واولادھم واموالھم بین المسلمین	فیصلہ اور توراۃ کے حکم کے مطابق) اون کے مردون کو قتل کیا
الا ان بعضھم لحقوا برسول اللہ صلعم	اور اون کی عورتون اور بچون اور جائدادون کو مسلمانون
فآمنھم واسلموا واجلی رسول اللہ	مین بانٹ دیا، لیکن اونمین مین سے کچھ لوگ رسول اللہ صلعم
صلعم یہود المدینۃ کلھم بنی قینقاع	سے مل گئے، تو آپ نے اونکو امان دی، وہ مسلمان ہوئے،
وھم قوم عبد اللہ بن سلام و یہود	اور آپ نے مدینہ کے تمام یہودیون کو بنی قینقاع کو جو
بنی حارثۃ وکل یہودی کان بالمدینۃ	عبد اللہ بن سلام کی قوم کے تھے اور بنی حارثہ کے یہود کو
" " "	اور ہر یہودی کو جو مدینہ مین تھا نکالدیا،

لیکن چونکہ اسلام قومیت اور جنسیت کی لعنت سے پاک ہی وہ صرف دین کے رشتہ کو اصلی برادری جانتا ہی، اسلئے ان یہودیون کو جلا وطن کرتے وقت اسلام کی تبلیغ ضروری سمجھی، کہ اگر وہ اس برادری مین داخل ہوجائین اور ملت ابراہیمی کے خالص پیرو بن جائین، تو اس ارض اقدس کی سکونت اور توطن کے، وہ بھی ویسے ہی مستحق قرار پائین جس طرح دوسرے مسلمان، چنانچہ آنحضرت صلعم صحابہ کی مختصر جماعت کے ساتھ یہود کے قبیلون مین تشریف لیے گئے اور جیسا کہ صحیح مسلم مین (کتاب الجہاد) حضرت ابوہریرہ کی زبانی بتفصیل مذکور ہی، آپ نے وہان جاکر سب سے پہلے اسلام کو پیش کیا، اون کو پکار کر جمع کیا پھر فرمایا "اے جماعت یہود! اسلام لاؤ. سلامتی پاؤ گے" اونھون نے جواب دیا، اے ابو القاسم! آپ تبلیغ کا فرض ادا کر چکے، آپ نے فرمایا "ان مین بھی یہی چاہتا ہون، تیسری بار آپ نے فرمایا "تو جان لو کہ یہ زمین اللہ اور اوس کے رسول کی ملکیت ہی، اور مین چاہتا ہون کہ مین اس زمین سے تم کو نکالدون، تو جس کو اپنی جائداد کی کچھ قیمت مل سکے وہ اوسکو فروخت کر دے، ورنہ جان لو کہ یہ زمین اللہ اور اوس کے رسول کی ملکیت ہی"، قرآن مجید کی آیت ذیل اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہی،

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ	اوسی خدا نے اون کو جو اہل کتاب مین سے کفر مین مبتلا ہین

اهل الکتاب من دیارهم لاول الحشر ما ظننتم ان یخرجوا وظنوا انهم مانعتهم حصونهم من الله فاتهم الله من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبهم الرعب یخربون بیوتهم بایدیهم وایدی المؤمنین فاعتبروا یا اولی الابصار ولولا ان کتب الله علیهم الجلاء لعذبهم فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب النار ذلک بانهم شاقوا الله ورسوله ومن یشاق الله فان الله شدید العقاب

(حشر)

اون کے گھرون سے نکالا پہلے حشر کے لیے، تمہارا گمان نہ تھا کہ وہ نکلین گے، اور انکا گمان تھا کہ اونکے قلعے خدا کے مقابلہ مین اون کی حفاظت کرینگے، تو خدا نے اون پر اوس طرف سے حملہ کیا جدھر اونکو خیال بھی نہ تھا، اور اون کے دلون مین اسلام کا رعب ڈالدیا، وہ اپنے گھرون کو خود اپنے ہاتھون سے اور مسلمانون کے ہاتھون سے اُجاڑ رہے ہین، تو اے بصیرت والو! اس سے عبرت پکڑو، اور اگر خدا اون پر یہ جلاوطنی نہ لکھدیتا تو اون کو دنیا مین کسی اور قسم کا عذاب دیتا، اور اون کے لئے آخرت مین دوزخ کی سزا ہی، یہ اسلئے کہ اونھون نے خدا اور اوس کے رسول سے دشمنی کی اور جو خدا سے دشمنی کرتا ہی، اوس کو جان لینا چاہیئے کہ خدا بڑی سزا دینے والا ہی،

اس کے بعد ۷ھ مین خیبر کا واقعہ پیش آیا، یہان یہودیون کی بڑی ریاست تھی، متعدد قلعے اون کے ہاتھ مین تھے، لیکن وہ سب ایک ایک کرکے فتح ہوگئے، لیکن ایک مناسب موقع تک کے لئے اونکو بعض شرائط پر خیبر مین رہنے دیا گیا، ۹ھ مین یمن ہاتھ آیا اور وہان کے عیسائیون سے جزیہ پر صلح ہوگئی، اور اون کو بھی ایک وقت مناسب تک کے لئے آباد رہنے دیا گیا، لیکن آنحضرت صلعم کو رہ رہکر یہ خیال آتا تھا کہ ارض اقدس غیر مسلم وجود سے یکسر خالی ہو ربیع الاول ۱۱ھ مین آپ نے وفات پائی، لیکن عین اوس وقت جب اس عالم عنصری سے آپکی روح مبارک کا انقطاع ہو رہا تھا، اور آپ رفیق اعلیٰ سے سرگرم نیاز اور اوس کے دیدار کے لئے بیتاب تھے، اور کبھی مرض کی شدت سے بیچین ہوکر آخری کروٹین لے رہے تھے،

آپ کو جو چیز مضطرب کر رہی تھی، وہ اس جزیرۂ مقدس کی تقدیس و تطہیر کا خیال تھا، کہ ابراہیم و اسمٰعیل کی سرزمین اب تک پرستاران توحید کے لیے مخصوص نہین ہو چکی ہی چنانچہ حیات ظاہری کی آخری سانسون مین اپنے جانشینون کو یہ وصیت فرمائی، جیسا کہ صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابون مین حضرت ابن عباس سے مروی ہی،

واوصی عند موته بثلاث اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب،

آنحضرت صلعم نے مرتے وقت تین وصیتین کین، جن مین سے ایک یہ تھی کہ جزیرۂ عرب سے مشرکون کو نکال دینا،

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین اس وصیت نبوی پر عمل فرمایا، اور مناسب معاوضہ دیکر تمام نصاری اور یہودیون کو جزیرۂ عرب سے نکالکر، شام مین بسادیا، خیبر کے یہودیون نے آنحضرت صلعم کے عمل سے حجت پیش کرنی چاہی، اوس کے جواب مین آپ نے فرمایا، کہ مجھے حضور کے الفاظ اچھی طرح یاد ہین، آپ نے تم لوگون کو یہان بسنے کی اجازت دیتے وقت فرمادیا تھا کہ یہ اجازت اوسی وقت تک کے لیے ہی جب تک ہم چاہین، مصلحت یہ تھی کہ اوس وقت تک شام فتح نہین ہوا تھا اور وہ رومیون کے ہاتھ مین تھا جو اسلام کے دشمن تھے، اگر ان یہودیون کو اوس وقت شام جلاوطن کردیا جاتا تو وہ گھر کے بھیدی بنکر سخت خطرناک ثابت ہوتے، لیکن جب حضرت عمرؓ کے زمانہ مین شام فتح ہوگیا تو وہ خطرہ جاتا رہا، اور اوسوقت آنحضرت صلعم کی وصیت کے مطابق اون کو جلاوطن کیا گیا،

اسلام کا یہ حکم بڑی مصلحتون پر مبنی ہی، چنانچہ آنحضرت صلعم کی اسی آخری وصیت کے اون الفاظ سے جو دوسری روایتون مین مذکور ہین، یہ مصالح واضح اور روشن ہین، صحیح مسلم، مسند احمد، سنن ابی داود اور جامع ترمذی مین حضرت عمرؓ سے روایت ہی،

انه سمع النبی صلعم یقول لاخرجن الیهود والنصاری من جزیرة العرب حتی

کہ اونھون نے آنحضرت صلعم کو کہتے سنا کہ مین یہود اور نصاری کو جزیرۂ عرب سے نکالدون گا، یہان تک کہ

لا ادع الا مسلماً ، سوائے مسلمان کے اوس مین کسی کو نہ چھوڑونگا ،

اِس حدیث سے ثابت ہوتا ہو کہ مقصود نبوی یہ تھا کہ ارض اقدس حلقہ بگوشانِ دینِ خلیل کے سوا کسی اور کا وطن نہوگا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کے تمام دیگر مذہبون اور قومون مین سے یہود اور نصاریٰ کی تخصیص صرف اِسلیئے ہو کہ اوس عہد مین صرف وہی وہان آباد تھے، ورنہ جیسا کہ حدیث مذکور کے آخری الفاظ نے واضح کر دیا ہو کہ مسلم کے سوا وہان کسی اور کا وطن نہ ہو گا، اِس تخصیص مین تعمیم پیدا کر دی ہی، وصیت کے دوسرے الفاظ جو دوسری روایتون مین مذکور ہین وہ بھی اِس عمومیت کو پوری طرح ظاہر کرنے کے علاوہ شارع کے پیش نظر اوس حکم کی جو اصلی مصلحتین تھین اون کو بھی آشکارا کر دیا ہی، مسند امام احمد مین حضرت عائشہؓ سے روایت ہو کہ آپ نے فرمایا،

اخر ما عهد رسول الله صلعم لا يترك بجزيرة العرب دينان ، آنحضرت صلعم نے جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ جزیرۂ عرب مین دو دین باقی نہ رکھے جائین، (بلکہ ایک ہی دینِ حق باقی رہیگا)

یعنی اِس ارض قدس مین صرف ایک ہی دین باقی رکھا جائے، اور وہ اوس کا دین جس کو اور جس کی نسل کو یہ غیر آباد زمین، ارض وسما کے خالق کی طرف سے وراثت مین ملی، اور جس نے دنیا مین سب سے پہلے انا اول المسلمین کا نعرہ بلند کیا، اور جس نے اپنے پیروکارون کو سب سے پہلے مُسلم کا خطاب عطا کیا، هو سماكم المسلمين ، وہ لوگ جو اِسلام کے ظہور کے وقت اوس مسلم اول کے فرزند ہونے کے جھوٹے دعویدار تھے، وہ اوسی بت پرستی مین مبتلا تھے جس کے توڑنے کے لیے اوس بُت شکن اول کو دنیا مین وجود بخشا گیا تھا، اِسی لئے موت کے بستر پر بھی دعائے ابراہیمی کے مظہر اَتم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر دامنگیر تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین، کہ لمحات بازپسین مین باربار یہ الفاظ ادا ہوتے تھے،

قاتل الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياءهم مساجد لا يبقى دينان بارض العرب (موطا) خدا یہود اور نصاریٰ کو مارے کہ اونھون نے اپنے پیغبرون کی قبرون کو عبادتگاہ بنالیا، سرزمین عرب مین دو دین باقی نہ رہین،

ابوداؤد مین حضرت ابن عباس کی روایت مین یہ الفاظ ہین،

لا تبقى قبلتان في بلد واحد ایک ملک مین دو قبلے نہون،

صاحبِ شریعت نے اِس ارض اقدس کے حدود خود متعین فرما دیے ہین، کہ وہ صرف حجاز نہین صرف عرب خاص نہین، بلکہ پورا جزیرہ ہی، جزیرہ اوس قطعۂ زمین کو کہتے ہین جو چارون طرف پانی سے گھرا ہو، ظاہر ہے کہ ارض عرب کی سرزمین کا بیشتر حصہ سمندرون اور دریاؤن سے گھرا ہوا ہی، اوس کے ایک طرف بحر عرب اور بحر ہند ہی، دوسری طرف خلیج فارس یا دریائے عمان ہی، تیسری طرف بحر قلزم یا بحر احمر ہے، اور اوسی کی سیدھ مین اب نہر سویز ہی، جو بحر متوسط یا بحر روم سے مِل گئی ہی، اور شام کی طرف کے سواحل اِسی بحر متوسط سے ہمکنار ہین، اور عراق کی طرف فراتؔ دریا اوس کی حد بندی کرتا ہی،

ممکن ہو کہ یہ کہا جائے کہ آجکل کے سیاسی اثرات و مطالبات نے جزیرۂ عرب کے حدود کو اتنا وسیع کر دیا ہو، اِسلئے اِس موقع پر قدمائے اِسلام کی تصریحات کا اِس باب مین پیش کرنا ضروری ہی، چنانچہ اہل لغت اہل سیرت، اہل حدیث، اہل فقہ اور اہل جغرافیہ، ہر فن کے ماہرین کی تحقیقات حسب ذیل ہین،

اہل لغت

قال الخليل سميت جزيرة العرب لان بحر فارس و بحر الحبشة والفرات والدجلة احاطت بها ،

خلیل نے کہا کہ ملک عرب کا جزیرۂ عرب اسلئے نام پڑا کہ بحر فارس اور بحر حبشہ (بحر احمر) اور فرات اور دجلہ اسکو گھیرے ہین

قال الاصمعی لاحاطة البحار بها يعني بحر الهند والقلزم و بحر فارس و بحر الحبشة و دجلة ،

اصمعی نے کہا کہ جزیرہ اسلئے کہ دریا اوس کا احاطہ کئے ہین، یعنی بحر ہند، بحر قلزم، بحر فارس، بحر حبشہ اور دجلہ۔

قاموس کے مصنف فیروزآبادی نے کہا کہ جزیرۃ العرب وہ

قال الفیروز آبادی صاحب القاموس جزیرة العرب ما احاط به بحر الھند والشام ثم دجلة والفرات او مابین جدة الی اطراف الشام طولاً ومن جدة الی ریف العراق عرضاً ۔

ملک ہے جس کو بحر ہند اور بحر شام (بحر متوسط) پھر دجلہ اور فرات گھیرے ہین یا جو جدہ سے شام کے کنارون تک طول مین اور جدہ سے عراق کے سبزہ زار تک عرض مین ہے،

قال ابن الکلبی جزیرة العرب من اقصی عدن الی ریف العراق فی الطول واما فی العرض فمن جدة وما والاھا من ساحل البحر الی طرف الشام دتبوک من الحجاز

ابن کلبی کا قول ہے کہ جزیرۃ العرب عدن کی انتہا سے عراق کے سبزہ زار تک طول مین ہے، اور عرض مین جدہ اور اوس کے آس پاس سے دریا کے کنارہ شام کے کنارہ تک اور حجاز کے تبوک تک ہے،

اہل الحدیث

قال سعید یعنی ابن عبد العزیز جزیرة العرب مابین وادی القری الی اقصی الیمن الی تخوم العراق (ابوداؤد)

حضرت سعید ابن عبد العزیز نے فرمایا کہ جزیرۃ العرب وہ ہے جو وادی القری کے درمیان سے یمن کے انتہا سے گذر کر عراق کے حدود تک ہے،

سألت المغیرة بن عبد الرحمن عن جزیرة العرب فقال مکة والمدینة والیمامة والیمن (بخاری)

مغیرہ بن عبد الرحمن سے پوچھا کہ جزیرۃ العرب کیا ہے، تو جواب دیا کہ وہ مکہ، مدینہ (یعنی حجاز) اور یمامہ اور یمن ہے،

ارض العرب کلھا ارض العشر وھی مابین العذیب الی اقصی حجر بالیمن ومھرة الی حد الشام

ارض عرب تمام تر وہ زمین ہے جس مین عشر لیا جائیگا، اور وہ عذیب سے حجر تک جو یمن مین ہے اور مہرہ شام کے کنارہ تک ہے،

(ہدایہ باب العشر)

اہل جغرافیہ

اسلامی جغرافیہ کی کتابون مین سب سے مفصل اور مبسوط جغرافیہ یاقوت حموی کی معجم البلدان اور علامہ سیوطی کی مراصد الاطلاع علی الامکنة والبقاع ہے، ان دونون کتابون مین لفظ جزیرۃ العرب کے

تحت مین پوری توضیح کے ساتھ اوس کے حدود اور اطراف بتائے گئے ہین، یاقوت نے بہترین قول اس بارہ مین یہ قرار دیا ہے،

ملک عرب کو جزیرہ اسلئے کہا گیا کہ اوس کو دریا اور سمندر ہر طرف سے گھیرے ہین، تو وہ سمندر کے جزیرون کے مثل ہوگیا، تفصیل یہ ہے کہ فرات روم کے ملک (یعنی ایشیائے کوچک) کی طرف سے آیا ہے، اور قنسرین کے قریب سے نکلا ہے، پھر ابین النہرین کے کنارون اور سواد عراق کی طرف سے اوتر کر بصرہ کے پاس آکر دریا (خلیج فارس) مین گرا ہے، اور عبادان تک پھیل گیا ہے، یہان سے سمندر مغرب رخ ہوتا ہوا ملک عرب کو گھیرتے ہوئے جھکتا ہوا چلا ہے، تو سفوان، اور کاظمہ سے قطیف، ہجر، سواحل بحرین قطیین عمان اور شحر تک چلا گیا ہے، یہان سے ایک شاخ حضر موت، ابین، اور عدن تک گئی ہے، اور وہان سے پچھم رخ دہلک تک اور یہی شاخ پھیل کر یمن کے نشیبون مین داخل ہو کر فرسان، حکم، اشعر مین اور عک کے مقامات تک گئی ہے، پھر کر معظمہ کے ساحل جدہ، اور مدینہ منورہ کے ساحل جار، اور طور کے ساحل اور خلیج ایلہ (عقبہ) اور مصر کے قلزم تک پہنچی ہے، ...... پھر دریا مصر کے ساحل سے ہوکر عسقلان اور اوس کے سواحل اور اردن کے ساحل صور اور بیروت اور دمشق کے ساحلی شہرون سے ہو کر فلسطین پہنچا ہے، پھر حمص کے کنارون سے ہو کر اوسی طرف سے نکلا ہے جدھر سے فرات قنسرین کے اطراف اور ابین النہرین اور سواد عراق ہو کر آیا ہے،

اسی قسم کی تفصیل مراصد الاطلاع مین بھی ہے جس کے دوبارہ دہرانے کی کوئی ضرورت نہین،

قاضی تنوخی

از پروفیسر جمیل الرحمن ایم اے، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

تاریخ اسلام مین چوتھی اور پانچوین صدی ہجری کا زمانہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے یہی وہ زمانہ ہے جبکہ خلافت عباسیہ کی عظیم الشان حکومت اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی تھی یعنی عباس کے آغاز خلافت سے ہی عربون کا زور گھٹ گیا تھا، اور ایرانی بڑھنے لگے تھے، مگر درمیانی زمانے کے ایک اور انقلاب سے چندروز کے لیے ان کا زور بھی ٹوٹ گیا تھا، اور ترک غلامون اور فوج نے اُن کی جگہ لے لی تھی، چوتھی صدی ہجری مین اونکا بھی خاتمہ ہوگیا اور بعض اسباب کی بنا پر ایرانی پھر تمام خلافت پر حاوی ہوگئے، خاندان بنو بویہ پورے عروج پر تھا، اور ہر طرف ایرانی قومی سلطنتین قائم ہو رہی تھین، خلیفہ کا وقار صرف اس قدر رہ گیا تھا کہ مختلف بادشاہ برائے نام اُسے حاکم اعلی تسلیم کرتے تھے، ورنہ حقیقت مین وہ بالکل خود مختار تھے، خلیفہ کا حکم صرف بغداد اور اس کے علاقہ ہی مین نافذ تھا، بلکہ اصل تو یہ ہے کہ اس کی حکومت صرف بغداد کی چار دیواری تک محدود رہ گئی تھی،

خلافت کی سیاسی حالت تو یہ تھی، معاشرتی حالات مین اور بھی زیادہ تلاطم برپا تھا خالص عربی تہذیب نے ایرانی ہندی یونانی تہذیبون سے مل کر ایک نئی اور دلکش صورت اختیار کر لی تھی، اور یہی ملی جلی تہذیب ہے جسے عام طور پر اسلامی تہذیب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، مگر یہ نئی تہذیب چوتھی اور پانچوین صدی ہجری مین پوری طرح پختہ ہوگئی تھی اور اس مین زوال و انحطاط کے اسباب پیدا ہو چلے تھے، علم و فضل کی وہ حالت اب باقی نہ رہی، جو خلافت عباسیہ کے آغاز مین پائی جاتی ہے، مگر پھر بھی لوگ اس سے بالکل ناآشنا نہ تھے، بلکہ اب بھی بہت سے علماء اپنے علم سے دنیا کو مالا مال کر رہے تھے، بہرنوع اس زمانے کو خواہ ہم کسی نظر سے دیکھین ہم کو

یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ اسلام کا نہایت ہی دلچسپ اور دلکش زمانہ ہے، مگر یہ عہد جس قدر دلچسپ ہے اتنا ہی تاریک بھی ہے، بلاذری، یعقوبی، طبری، مسعودی ابن قتیبہ وغیرہ بڑے بڑے مورخ اپنا کام کر چکے تھے، اور ان کے بعد کے نئے مورخ ان کے درجے کو نہ پہنچ سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دو صدیان بالکل تشنہ رہ گئین، اور ان کے واقعات و معاشرت پر ایک پردہ پڑ گیا، مورخون کی کمی نہین، لیکن ہمعصر اور مستند مورخ یقیناً کم ہین، صرف دو مورخ ایسے ہین جو اس عہد کی تاریخ کے لیے ہمعصر کہے جا سکتے ہین، اور ان ہی کی کتابون سے اس زمانے کی تاریخ کا استفادہ کیا جا سکتا ہے، ان مین ایک ابن مسکویہ (متوفی سنہ ۴۲۱ھ) ہے اور دوسرا قاضی ابو علی المحسن بن علی تنوخی،

قبیلۂ تنوخ[1] کے اس خاندان کی تاریخ کچھ ایسی دلچسپ ہے کہ شاید تاریخ اسلام بھی ایسی نظیر پیش نہ کر سکیگی، اس خاندان کی تین پشتون نے یکے بعد دیگرے اسلام مین شہرت حاصل کی اور سرکاری عہدون پر ممتاز رہکر ملک و ملت کی خدمت انجام دی، اگرچہ ان مین سے سب سے زیادہ شہرت قاضی ابو علی المحسن کو نصیب ہوئی مگر ان کے باپ اور بیٹے ان سے کچھ کم ممتاز نہ تھے، اور ان لوگون نے بھی اپنی زندگی مین ایسا نام پا لیا تھا کہ اس زمانے کے مشاہیر و رؤسا ان سے ملنا اور اُن کا ہمنشین رہنا اپنا فخر سمجھتے تھے،

قاضی تنوخی کے باپ ابو القاسم علی بن محمد بن ابی الفہم داؤد بن ابراہیم تنوخی[2] ذوالحجہ ۲۷۸ھ مین انطاکیہ مین پیدا ہوئے، اور عین عالم جوانی مین ۳۰۶ھ مین بغداد آئے، یہین پر انھون نے تعلیم پائی، حنفی فقہ حاصل کی اور حدیث سنی، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ابو القاسم متعدد مقامات کے

---

[1] تنوخ ان چند قبائل کا مجموعی نام ہے جو قدیم زمانے مین بحرین کے علاقے مین آکر آباد ہو گئے تھے، اور آپس مین ایک دوسرے کے حلیف ہو گئے تھے، یہ ان تین قبیلون مین سے ایک قبیلہ تھا جس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، باقی ماندہ دو عیسائی قبائل کے نام تغلب اور بہرا ہین (ابن خلکان (انگریزی ترجمہ) جلد اول ص ۹۷)، [2] مکمل شجرۂ نسب کے لئے ملاحظہ ہو معجم الادباء (مطبوعہ یورپ) جلد ۵، صفحہ ۱۲۹،

کے قاضی رہے، سب سے پہلے مقتدر باللہ (سنہ ۲۹۵-۳۲۰ھ) کے عہد خلافت مین ان کو قاضی مقرر کیا گیا،
اس کے بعد وہ اہواز کے صوبے، کورۂ واسط، کوفہ، جند حمص اور شام کے دیگر سرحدی مقامات
کے علاوہ ارجان اور کورۂ سابور کے مجموعی یا انفرادی طور پر قاضی رہے، چند روز کے لیے حمص اور
اِیذج مین ان کو خلیفہ مطیع للہ (سنہ ۳۳۴-۳۶۳ھ) نے قاضی مقرر کیا تھا، وزیر ابن مقلہ نے ان کو اہواز
کے دیوان مظالم کا افسر اعلیٰ مقرر کیا، اور ابو عبداللہ بریدی نے ان کو واسط مین اپنا قائم مقام بنایا تھا
مگر ان کا کام محض قضا ہی تک محدود نہ تھا، انھون نے البتانی منجم صاحب زیج سے علم ہیئت
پڑھا تھا، اور اس مین ان کو پوری مہارت حاصل تھی، انھون نے عروض و قافیہ اور فقہ پر کتابین
تصنیف کین، اس کے علاوہ انہین منطق، ہندسہ، نحو اور کلام مین پورا دسترس حاصل تھا، ان کے
حافظے کا یہ حال تھا کہ خود ان کے بیٹے کا بیان ہے کہ انھین صرف قبیلۂ طے کے (۷۰۰) قصائد اور
قطعات یاد تھے، دوسرے محدثین، مخضرمین اور جاہلین کے قصائد وغیرہ ان کے علاوہ تھے، انکی
ایک بیاض جسکا حجم (۲۳۰) صفحہ کا تھا ایسے قصائد کے بعض عنوانات درج تھے جو ان کو حفظ یاد تھے
اگر ان تمام باتون سے قطع نظر کر لیجائے، اور صرف یہی یاد رکھا جائے کہ انھین (۲۰۰۰) حدیثین یاد
تھین تو یہ بھی یقیناً حافظ کا اعجاز ہی ہوگا[1]،

چند سال اہواز کے قاضی رہنے کے بعد جب ان کو اس عہدے سے الگ کیا گیا تو وہ
سیف الدولہ حمدانی کی خدمت مین حاضر ہوئے اور اس کی مدح مین قصائد کہے، اسی کی سفارش
پر انھین پرانے عہدے پر پھر مامور کیا گیا، اور انکی تنخواہ مین اضافہ ہوا،
ان کے علمی تبحر اور معلومات کا تو یہ حال تھا، اپنی زندگی ہی مین وہ اتنی شہرت حاصل
کر چکے تھے کہ وزیر محمد المہلبی اور دیگر روساء عراق ان سے برابری کا سلوک کرتے اور ان کو بہترین

[1] معجم الادبا، جلد ۵، صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ یورپ،

ندیم و جلیس سمجھتے تھے، انھون نے ربیع الاول سنہ ۳۴۲ھ مین بصرہ کے مقام پر وفات پائی، اور مربد مین دفن
ہوئے، وزیر محمد المہلبی نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی، اور ان کا تمام قرض جس کی مقدار (۵۰۰۰)
دینار تھی ادا کیا،

قاضی ابو القاسم کے بیٹے قاضی ابو علی المحسن بن علی بن محمد نے ادیب اور مورخ کی حیثیت سے
وہ شہرت حاصل کی کہ لوگ ان کے باپ کو بھول گئے، قاضی ابو علی سنہ ۳۲۹ھ[1] مین بصرہ مین پیدا ہوئے
اور ابو عباس الاثرم، ابو بکر الصولی اور حسین ابن محمد ابن یحیی ابن عثمان کی شاگردی مین علم حاصل کیا،
بصرہ سے بغداد گئے، اسی کو اپنا وطن بنا لیا، سنہ ۳۴۹ھ مین سب سے پہلے القصر، بابل اور اس نواح کے
نہرون کے قاضی مقرر ہوئے، اور پھر باپ کی طرح متعدد مقامات کے قاضی رہے، وہ حنفی فقہ کے عالم
تھے، اور خود بقول ان کے سنہ ۳۶۳ھ مین واسط کے قاضی مقرر ہوئے تھے، مگر اس سے قبل وہ دار الخلافت
مین قاضی القضاۃ ابو العباس ابن ابی شوارب کے شاگرد رہ چکے تھے اور ان کے احکام لکھا کرتے تھے
اس کے علاوہ تکریت، دقوقا، خانجار قصر ابن ہبیرہ، جامعین، سورار، بابل، انبار اور خطرنیہ مین
ابو العباس ابن ابی شوارب کی طرف سے قاضی مقرر ہوتے رہے، عمر کے آخری حصہ مین وہ عضد الدولہ
بویہ کے ندیم ہو گئے تھے اور ایک مدت تک اس کے مقرب بنے رہے، اسی زمانہ مین عضد الدولہ اور
قرامطہ کے درمیان ہمدان کے مقام پر صلح کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی، اور قاضی تنوخی اس کے ساتھ
تھے، قرامطہ کا ایلچی ابو بکر ابن شاہویہ ان کا دوست تھا، ایک دن وہ اپنے ایک اور دوست
کے ساتھ اس سے ملنے گئے، حاسدون نے عضد الدولہ سے شکایت کی، اس پر وہ ان سے
ناراض ہو گیا اور آخر یہان تک نوبت پہنچی کہ اس نے قاضی تنوخی کو حکم دیا کہ وہ اپنے مکان سے

[1] معجم الادبا، (مطبوعہ یورپ) جلد ۶، صفحہ ۲۵۱، مگر بقول ابن خلکان ان کی پیدائش کی تاریخ ۲۶ ربیع الاول
سنہ ۳۲۷ھ ہے (ابن خلکان، انگریزی ترجمہ، جلد دوم صفحہ ۵۶۴)،

باہر نہ نکلیں، اس حکم کے مطابق وہ عضد الدولہ کی موت (۳۷۲ھ) تک برابر خانہ نشین رہے[1]،

۲۵ محرم ۳۸۴ھ کو پیر کے دن قاضی تنوخی نے بغداد مین انتقال کیا،

اُن کی حقیقی شہرت محض قاضی ہونے مین مضمر نہین بلکہ ان کی شہرت کا اصلی باعث وہ تصانیف ہین جو انھون نے اپنے پیچھے چھوڑین، باپ کی طرح وہ بھی مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے اور اُنکی زندگی ہی مین ان کا شمار مشاہیر علماء مین ہونے لگا تھا، مگر جس چیز نے ان کو سب سے زیادہ مشہور کیا وہ علم ادب تھا، شاعری کے علاوہ انھون نے اس زمانے کی معاشرت کو ہمارے لیے اس طرح زندہ رکھ لیا کہ جو حکایات انھون نے اپنے بزرگون سے سنی تھین یا جو تاریخی اور معاشرتی واقعات ان کے سامنے پیش آئے تھے اُن کو مختلف تصانیف مین محفوظ کر لیا، یہی مختصر مگر دلچسپ واقعات و حکایات ہین جن سے چوتھی اور پانچوین صدی ہجری کی سیاسی تاریخ اخذ کر سکتے ہین، بلکہ اگر کوشش کیجائے تو اس عہد کی معاشرتی تاریخ بھی منضبط ہو سکتی ہے، ان کی تصانیف حسب ذیل ہین:

(۱) دیوان جس کی نسبت یاقوت نے ابو نصر سہل ابن مرزبان کی زبانی بیان کیا ہے کہ اس نے بغداد مین اس کو دیکھا تھا، اور یہ دیوان قاضی ابوالقاسم کے دیوان سے بھی بڑا ہے، اسکا ذکر ثعلبی نے بھی کیا ہے، مگر یہ بھی لکھا ہے کہ اسی زمانے مین یہ دیوان بالکل نایاب تھا اور اب وہ بالکل مفقود ہے[2]،

(۲) نشوار المحاضرہ[3]:- بقول یاقوت اس کتاب مین مصنف نے یہ التزام کیا تھا کہ اس مین

[1] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو معجم الادباء جلد ۵ صفحہ ۲۶۱-۲۶۷، [2] معجم الادباء جلد ۵ صفحہ ۲۵۲، یتیمۃ الدہر (مطبوعہ بولاق) جلد ۲ صفحہ ۱۱۵، [3] معجم الادباء جلد ۵ صفحہ ۲۵۱، ابن خلکان اور حاجی خلیفہ نے اس کا نام نشوان المحاضرہ لکھا ہے، (ابن خلکان انگریزی ترجمہ جلد ۲ صفحہ ۵۶۵ اور کشف الظنون مطبوعہ یورپ جلد ۶ صفحہ ۳۵۲)،

کوئی ایسی بات بیان نہ کیجائے جو دوسری کتابون مین مل سکے، اسی کے قول کے مطابق اس کتاب کی گیارہ جلدین تھین، اور ہر جلد کے شروع مین دیباچہ تھا، غرس النعمہ کے بیان کے مطابق ابوعلی محسن نے ۳۶۰ھ مین اس کی تصنیف شروع کی تھی، اور بیس برس مین اس سے فارغ ہوئے تھے، غرس النعمہ نے ۴۴۸ھ مین کتاب الربیع کے نام سے اسکا ذیل لکھنا شروع کیا تھا[1]، اگر کتاب کے متعلق یاقوت کا قول صحیح مان لیا جائے تو آسانی سمجھ مین آسکتا ہے کہ قاضی ابوعلی تنوخی جیسے بار سوخ تجربہ کار اور سرکاری معاملات سے باخبر شخص کے ساتھ کتنا کچھ ایسا مسالہ نہ ہو گا جس سے تاریخ لکھنے مین استفادہ کیا جا سکے، اس لحاظ سے اس کتاب کو بلا تامل ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الامم کے پہلو بہ پہلو رکھا جا سکتا ہے، یاقوت نے کتاب کی گیارہ جلدین بتائی ہین، مگر اُس کی صرف ایک جلد محفوظ رہ گئی ہے، اور اُسے حال ہی مین (۱۹۲۱ء) آکسفرڈ کے پروفیسر مارگولیتھ نے مع انگریزی ترجمہ کے شایع کیا ہے،

(۳) الفرج بعد الشدۃ:- قاضی ابوعلی کی تمام تصانیف مین یہ کتاب سب سے زیادہ مقبول ہوئی، نشوار المحاضرہ کی طرح یہ کتاب بھی متفرق حکایات کا مجموعہ ہے اور ہر حکایت کا موضوع یہ ہے کہ کوئی شخص سخت مصیبت مین گرفتار ہوتا ہے اور پھر بالکل مایوسی کی حالت مین اس مصیبت سے نجات پاتا ہے، یہ موضوع بذات خود اس قدر مقبول تھا کہ قاضی تنوخی سے قبل بھی چند مصنفون نے اس پر طبع آزمائیان کی تھین، چنانچہ حاجی خلیفہ کے قول کے مطابق ابن ابی الدنیا، ابوبکر عبداللہ ابن عبید القرشی، اور ابی الحسین عمر بن محمد بن یوسف فقیہ مالکی نے اس نام کی کتابین لکھی تھین، موخر الذکر پہلے مصنف ہین جنھون نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا[2]، مگر ان سب مین صرف قاضی تنوخی ہی کی کتاب نے فروغ حاصل کیا، کتاب مین کل (۱۴) باب ہین اس کی تصنیف سے

[1] معجم الادباء، [2] کشف الظنون، مطبوعہ یورپ جلد ۴ صفحہ ۴۱۰-۴۱۱،

مصنف کا مقصد یہ تھا کہ لوگون کے لیے ایک طرف تو تفریح کا سامان ہیا کر دیا جائے اور دوسری طرف اس کے ساتھ ساتھ اُن کو اخلاق حسنہ اور صبر و شکر کی تعلیم دیجائے[1]، تاریخی لحاظ سے یہ کتاب اس قدر مستند اور معتبر ہے کہ مختلف مورخ تنوخی ہی اسناد پر ان حکایات کو نقل کرتے ہین، مثلاً ہلال الصابی نے کتاب الوزرا مین اس سے مدد لی ہے، اس کتاب کا بہت سا حصہ تو نشوار المحاضرہ سے ماخوذ ہی مگر کم از کم ایک حکایت الفرج بعد الشدہ سے بھی نقل کیگئی[2] ہے اور اسی حکایت کو ابن مسکویہ نے تجارب الامم مین تنوخی کے اسناد کے حوالے سے بیان کیا[3] ہے، اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ لطف اللہ ابن حسن التوقانی مقتول (سنہ ۹۰۰ھ) نے ترکی[4] مین، اور حسین ابن سعد ابن حسین الدہستانی نے وزیر عزالدین طاہر ابن زنگی فریومدی[5] کی فرمایش سے اس کا ترجمہ فارسی مین کیا، اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ زمانۂ مابعد کے متعدد مصنفون نے اس سے نہ صرف استفادہ کیا ہو بلکہ اس کی حکایات کو نئے رنگ مین لکھ کر فروغ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً محمد شریف بن شمس الدین محمد کاشفی نے اپنی خزان و بہار مین، مجد الدین محمد الحسینی مسجدی (متوفی سنہ [illegible]ھ) نے زینت المجالس مین، اور عوفی نے جوامع الحکایات مین اس کتاب سے فائدہ اٹھایا ہے، اور اس کی حکایات نقل کی ہین،

الفرج کے متعلق ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس کا مصنف مدائنی[6] ہے، چنانچہ فارسی مترجم اُسے

---

[1] فہرست کتبخانۂ خدیویہ - جلد ۵ صفحہ ۱۶۱، [2] کتاب الوزراء (مصححہ آمدروز - مطبوعہ یورپ) صفحہ ۱۰۵-۱۰۲، [3] تجارب الامم (مصححہ ایل، کیٹانی، مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۱۳ء) جلد ۵، صفحہ ۱۰۷، [4] کشف الظنون، مطبوعہ یورپ جلد ۴ صفحہ ۱۰۰-۱۰۱، [5] فریومد سبزوار کے علاقہ کا ایک شہر ہے یہان سلطان ابوسعید کا وزیر خواجہ علاء الدین محمد پیدا ہوا تھا، الفرج کا فارسی ترجمہ دو مرتبہ بمبئی مین طبع ہو چکا ہے، [6] ابوالحسن علی ابن محمد ابن عبداللہ ابن ابی سیف مدائنی سنہ ۱۳۵ھ مین بصرہ مین پیدا ہوا، مگر تمام عمر بصرہ اور بغداد مین بسر کی، اور سنہ ۲۱۵ھ یا بقول ابن کوفی اور یاقوت (معجم الادبار جلد ۵ صفحہ ۳۰۹) سنہ ۲۲۵ھ مین مرا،

مدائنی ہی کی تصنیف بتاتا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہستانی نے قاضی تنوخی کے ایک راوی کو غلطی سے کتاب کا مصنف سمجھ لیا تھا، اور اسی وجہ سے اُسے اس سے منسوب کر دیا، اس کے علاوہ الفہرست[1] اور معجم الادبار کے مصنف مدائنی کی کسی اس نام کی تصنیف کا ذکر نہین کرتے،

(۴) کتاب المستجاد فی فعلات الاجواد[2]:- اس کے قلمی نسخے یورپ کے بعض کتب خانون مین موجود ہین، مگر اب تک یہ کتاب شایع نہین ہوئی،

(۵) کتاب المذاکرہ والمحاضرہ، یہ کتاب بھی اب تک شایع نہین ہوئی،

ان تصانیف سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قاضی ابوعلی محسن تنوخی کس درجے کے آدمی تھے اور اُنکی کتابون سے اس عہد کی معاشرتی اور سیاسی حالات کہان تک اخذ کئے جا سکتے ہین،

ان کے بیٹے ابوالقاسم علی ابن محسن نے بھی اپنے باپ دادا کی طرح علوم و فنون مین شہرت حاصل کی، وہ نصف شعبان سنہ ۳۶۵ھ[3] مین پیدا ہوئے اور محرم سنہ ۴۴۷ھ مین وفات پائی، وہ ابوالحسن علی ابن احمد ابن کیسان نحوی، اور ابوالعلاء المعری کے شاگرد، اور ابو زکریا تبریزی کے دوست تھے[4]، مذہبی عقائد کے لحاظ سے وہ معتزلی تھے، مدائن اور اس کے اعمال، درزیجان، بردان، قرمیسین اور کرمان شاہ وغیرہ کے قاضی رہے، ہمدانی نے بیان کیا ہے کہ وہ ادیب اور عالم و فاضل آدمی تھے[5]،

سنہ ۴۴۰ھ مین ان کے ایک بیٹا ابوالحسن محمد ابن علی پیدا، مگر یہ کچھ زیادہ شہرت حاصل نہ کر سکا، اور سنہ ۴۹۴ھ مین مرگیا[6]، اسی شخص پر تنوخیون کے اس عجیب و غریب خاندان کا خاتمہ ہو گیا،

---

[1] الفہرست - مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۰-۱۰۴، معجم الادبار جلد ۵ صفحہ ۳۱۲-۳۱۸، [2] ابن خلکان (انگریزی ترجمہ) جلد ۲ صفحہ ۵۶۵۔ کشف الظنون (مطبوعہ یورپ) جلد ۵ صفحہ ۵۱۹، [3] بقول ابن خلکان (جلد ۲ صفحہ ۵۶۷) سنہ ۳۶۵ھ مین پیدا ہوئے، [4] ابن خلکان (انگریزی ترجمہ) جلد ۲ صفحہ ۵۶۷، [5] معجم الادبار جلد ۵ صفحہ ۳۰۱ الخ، [6] ،، جلد ۵ صفحہ ۳۰۲،

سیلون کے تباہ شدہ شہر

از ڈاکٹر محمد عبدالغفور - بسمل بریلوی

سیلون کے شمالی اور مرکزی صوبہ مین زمانۂ قدیم کے تباہ شدہ شہرون کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے، اِن کھنڈرون کے حالات گزشتہ صدی کے آغاز تک دنیا کو معلوم نہ ہوئے تھے، لیکن زمانۂ حال مین سنہالی پجاریون کی تاریخ مہاونسا Mahawonsa سے تقریباً ۵۰۰ ق م کے حالات معلوم ہوئے ہین،

دارالسلطنت انورادھ پورہ (Anuradhpura) کی بربادی کے آثار کئی مربع میل مین پھیلے ہوئے ہین، اِس شہر کو بادشاہ پنڈکا بھیا (Handukabhaya) نے ۴۳۷ ق م اپنا پایۂ تخت بنایا تھا، بادشاہ اگابودھی ہفتم (Agga - bodhi) نے اور بہت سے شہر آباد کئے تھے اور اس نے اپنے دارالسلطنت کے لئے شہر پالونیروا (Pollonarinwa) کو ۷۸۱ء مین منتخب کیا تھا،

یہ تمام برباد شدہ شہر گھنے جنگل مین دنیا کی نگاہون سے مستور تھے، لفٹنٹ فیگن (Fagan) پہلے شخص ہین جنھون نے اکتوبر ۱۸۲۰ء کے سیلون گزٹ مین اِن تباہ شدہ شہرون کے حالات پر ایک مضمون لکھا ہے،

"مہاونسا" مین لکھا ہوا ہے کہ پہلا بادشاہ وجے (Wijya) شمالی ہندوستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، وہ سیلون مین ۵۴۳ ق م ایک جماعت کثیر کے ساتھ داخل ہوا،

اور اوس نے اُمرائے ملک سے دوستانہ مراسم پیدا کئے، ایک نواب کی لڑکی سے شادی کی، اور شادی مین تمام اُمرائے ملک کو مدعو کرکے فریب کارانہ طریقہ سے قتل کرادیا، بعد ازان وجے اور اوس کے ساتھیون نے تمام ملک پر قبضہ کرلیا، اور وہ سیلون کا بادشاہ بن بیٹھا،

پنڈواسا (Handuwaasa) جو کہ وجے کا برادرزادہ تھا اور سلطنت گجرات مین پیدا ہوا تھا ایک بہت بڑی جماعت کی ہمراہی مین سیلون آیا، "وجے" کے بعد بادشاہ بنا اور شمالی ہندوستان کی سنہالی قوم کا سیلون مین اقتدار قائم کیا،

پنڈواسا کے عہدِ حکومت مین اوس کے چچا انورادھا (Annuradha) نے ایک بہت بڑا تالاب دھانون کے کھیتون کی آبپاشی کے لئے تیار کرایا تھا جس کا پشتیبان ۱۱ میل لانبا ۷۰ فٹ اونچا اور دہانہ پر ۲۰ فٹ چوڑا تھا، اوس کا رقبہ ۴۳۰۰ ایکڑ تھا اور اوس مین ۱۳۲ ملین مربع فٹ پانی آتا تھا، ایک اور تالاب اوس نے تعمیر کرایا، جس کا پشتیبان اب بھی ۱/۲ ۳ میل لمبا ۲۴ فٹ اونچا اور دہانہ پر ۲۰ فٹ چوڑا ہے، اِس کا رقبہ ۱۰۵۰ ایکڑ ہے۔ اوس مین ۳۱۱ ملین مربع فٹ پانی آتا ہے، سیلون کے شمالی صوبجات مین اور بہت سے چھوٹے چھوٹے تالاب بنوائے گئے تھے ملک کی ضروریات اور خوشحالی کے ساتھ ساتھ وہ چھوٹے تالاب بھی بڑے تالابون کے برابر بنوادیئے گئے تھے،

انورادھا کے پوتے، پنڈکا بھیا، نے ۴۳۷ ق م عنانِ حکومت اپنے ہاتھ مین لی، اور سب سے بڑا شہر محکمۂ آبپاشی کے قریب اپنے دادا کے نام سے آباد کیا، اِس شہر کی وسعت کا اندازہ صرف اِس سے ہوسکتا ہے کہ شہر کی صفائی کے پانچسو خاکروب ملازم تھے، دوسو آدمی رات کو پہرہ دیتے تھے، ڈیڑھ سو نعش بردار تھے اور ڈیڑھ سو قبرستان کی نگہداشت کے لئے مقرر تھے، اِس کے بعد تسا (Tissa) ۳۰۷ ق م تخت پر بیٹھا، اِس کے عہدِ حکومت مین "مہیندا" ہندوستان کے بادشاہ "اسوکا" (Asoka) کا لڑکا بدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے سیلون آیا، تسا اور اوس کی تمام

رعایا نے مذہب بُدھ کو قبول کرلیا۔

"مہاونسا" مین لکھا ہی کہ صدیون تک قوم تامل Tamels سیلون پر حملے کرتی رہی،

شہر انورادھ پورہ کی عمارتون مین سب سے زیادہ حیرت انگیز مذہبی خانقاہین ہین، یہ اہرام مصر سے مشابہت رکھتی ہین، بجز ایک چھوٹے سے راستہ کے جو کسی مخفی کمرہ کو جاتا ہے باقی تمام عمارتین ٹھوس ہین، چھوٹی چھوٹی خانقاہین بھی بے شمار ہین، لیکن تین خانقاہین زیادہ بڑی ہین، پہلی خانقاہ کو بادشاہ دتوگمنو (Dattu Gamnu) نے بنوایا تھا اور اوس کے بھائی نے ۱۳۰ ق م کے بعد اُسے مکمل کرایا، اس خانقاہ کی اونچائی ۲۰۰ فٹ ہے اور اوس کے بنیاد کے دائرہ کی گولائی ۲۰۰۰ فٹ ہی، یہ تمام عمارت اینٹون کی بنی ہوئی ہے، اور ابھی تک یہ اینٹین بدستور حالت مین ہین، کچھ حصہ زمین مین دھس گیا ہی، اس لیے اس کی اونچائی اس وقت ۷۰ فٹ رہ گئی ہے، اس عمارت پر گھاس اُگی ہوئی ہے، اس چارون طرف پتھر کی چٹانون پر بُدھ اور شاہان سیلون کے بُت ایستادہ ہین، اور اس عمارت کے چارون گوشون پر چار قربان گاہین بنی ہوئی ہین۔

اس سے بڑی اور دوسری عمارت ۳۰۰ ق م مین بنائی گئی تھی، شہر کی خانقاہ کے رہبان دو حصون پر منقسم ہو گئے تھے، اور ایک فرقہ نے اس خانقاہ کو تعمیر کرایا تھا۔ اس عمارت کا برج گول تھا اور اس کی اونچائی ۴۰۵ فٹ تھی،

تیسری خانقاہ ۳۰۰ء مین مہاسینا (Mahasena) کے دور حکومت مین تعمیر ہوئی تھی، یہ اب بھی اپنی تباہ شدہ حالت مین ۲۶۹ فٹ اونچی ہی، مسٹر ایمرسن ٹیننٹ Emerson Tennant) نے ایک مضمون ان عمارتون کے متعلق لکھا تھا، اوس مین انھون نے بتلایا ہو کہ اس عمارت کی اینٹون سے لندن سے اڈنبرا تک ایک فٹ چوڑی اور دس فٹ اونچی

دیوار بنائی جاسکتی ہے،

اس قدیم شہر کی سب سے زیادہ مشہور عمارت ایک محل ہی، اسے دتوگمنو نے ۱۶۱ ق م مین تعمیر کرایا تھا، یہ نو منزلہ مکان پتھر کے ستونون پر بنایا گیا تھا، اور ہر ایک منزل مین سو راہبون کے رہنے کی گنجایش رکھی گئی تھی، اس کی چھت پر پیتل کے کھپرون کی کھپریل پڑی ہوئی تھی، جو کہ سونے کی طرح چمکتی تھی، اندر قالین بچھے ہوئے تھے اور دیوارون کی کھونٹیون پر جواہرات جڑے ہوئے تھے،

۴۰۰ فٹ اونچی چٹان شہر انورادھ پورہ سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اوس چٹان کی چوٹی تک ایک پیچیدہ راستہ بنایا گیا تھا، یہ راستہ اینٹون کے مصنوعی شیر کے اگلے پنجون سے اوس کے جسم سے ہوتا ہوا چٹان تک جاتا تھا، اس چٹان کو کاٹ کر ایک عالیشان محل بنایا گیا تھا، اوسی چٹان کے ایک حصہ سے تخت تراشا گیا تھا، جس پر درباری خواتین کی تصاویر بنی ہوئی تھین، بادشاہ کسیاپا اول (Kasyapa ist) نے ۴۷۸ تا ۵۱۱ء تک حکومت کی، یہ بادشاہ اپنے باپ کو قتل کرکے انتقام سے بچنے کے لیے یہان چلا آیا تھا،

شہر پالونیروا، شہر انورادھ پورہ سے سیدھا پچاس میل کے فاصلہ پر ہے، ۸۰۰ء کے آخر مین یہ دار السلطنت بنایا گیا تھا، پرک راما باہو اول (Parakrama Bahu) نے یہان ۱۱۶۴ تا ۱۱۹۷ء تک حکومت کی، اس کے زمانہ مین یہ شہر نہایت ترقی پر تھا، اس کے بعد اس شہر کا زوال شروع ہو گیا، پرک راما باہو سوم کے زمانہ مین ۱۲۳۵ء مین یہ شہر تباہ و برباد ہو گیا، شاہی قلعہ ابھی تک قایم ہی، اس کی دیوارین دس فٹ چوڑی ہین،

پتھر کی تختی پر سنہالی زبان مین قدیم زمانہ کی تاریخ کندہ ہی، اس پتھر کا وزن ۲۵ ٹن ہے، اور بادشاہ نساکا نالا (Nisaa Ka Nalla) کے حکم سے ۱۱۹۰ء مین ایک مقام مہنتیل (Mahin lale) سے لایا گیا تھا۔ اس سے شاہان قدیم کے کارہاے نمایان کا

حال معلوم ہوتا ہی، اور اب بھی یہ کتبے آسانی سے پڑھے جاتے ہین،

ایک چٹان سے تراشی ہوئی خانقاہ مین بدھ کا بُت بنا ہوا ہی، اس بُت کا طول ۴۴ فٹ ہی، یہ ایک پہلو پر بیٹھا ہوا ہی، اس بُت کے سرہانے بدھ کا چیلا انند (Ananda) مضمحل کھڑا ہوا ہی،

ایک شیر کا بت عجائب خانۂ کولمبو کو پہنچایا گیا ہے، یہ اس قدر وزنی ہے کہ ایک گاڑی بار کرتے وقت ریزہ ریزہ ہوگئی تھی، اس کے متعلق یہ خیال ہے کہ اس پر بہت سے بادشاہون کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی تھی،

پرک راما اعظم کا مجسمہ فن بُت تراشی کا ایک نہایت ہی قابل قدر نمونہ ہی، چہرہ سے پیری کے آثار نمایان ہین، اپنے دونون ہاتھون مین کھجور کے پتے کو پکڑے ہوئے نہایت ہی غور کے ساتھ اوسکی تحریر کو پڑھ رہا ہے،

میجر فوربز [illegible] ۱۸۲۸ء مین گھنے جنگل مین سے ہوکر دھانون کے کھیتون مین سے ہوتے ہوئے شہر پالونیرو تک پہونچے تھے، اون کا بیان ہی کہ اُن عمارتون مین سے ہمارے شور وغل کو سنکر بہت سے ریچھ نکل کر بھاگے،

ان شہرون کی تباہی کی کوئی تاریخ مقرر کرنا تو ایک امر محال ہی، کیونکہ یہ شہر صرف کسی ایک حادثہ سے تو تباہ ہوئے نہین، لیکن اتنا ضرور قیاس کیا جا سکتا ہی کہ اس قدر زرخیز خطہ کو رفتہ رفتہ زوال ہوا ہوگا،

سولہوین صدی کے شروع مین پرتگالی سیلون مین آئے تھے، تو اوس زمانہ مین سیلون کے باشندہ فن تعمیر مین اعلی قابلیت نہ رکھتے تھے، اور شمال مین یہ زرخیز حصے تباہ پڑے ہوئے تھے،

یہان کے قدیم مؤرخین کا بیان ہی کہ ان لوگون کو فتح وکامرانی کی لامحدود مسرت نے ناکارہ بنا دیا تھا، اور ان کی جسمانی اور دماغی قوتین روزانہ زائل ہونے لگی تھین، اس لئے ان کے حریفون نے

انہین تباہ وبرباد کردیا،

مذہب پرست لوگون کا خیال ہی چونکہ یہ لوگ عیش پرست ہوگئے تھے، اسلئے خدا کے قہر نے انہین نیست ونابود کردیا، سائنس دانون کا دعوی ہی کہ یہ تمام تباہی انقلاب فطرت کا ایک ادنی کرشمہ ہی،

ڈاکٹرون کی رائے ہی کہ ملیریا (تپ رعشہ دار) اس قوم کی تباہی کا باعث ہوا، چنانچہ ڈاکٹر نکولس Necholls نے جو کہ سیلون کے محکمۂ علم الجراثیم کے ڈائرکٹر ہین۔ اس خیال کی تائید مین ایک زبردست اور مدلل مضمون حوالۂ قلم کیا ہی، وہ لکھتے ہین،

دریائے ڈینوب اب کبھی منجمد نہین ہوتا، لیکن رومیون کے زمانہ مین اون کی افواج نے اکثر موقعون پر دریائے ڈینوب کو منجمد حالت مین عبور کیا ہی، افریقہ مین بہت سے ایسے مقامات ہین جو کہ پہلے زرخیز تھے لیکن اب وہ ریگستان ہین، یہ باتین سب ممکن ہین، لیکن سیلون مین اس قسم کی کوئی تبدیلی نہین ہوئی ہی، کیونکہ آب وہوا اور بارش اب بھی وہان ویسے ہی ہین جیسے کہ پہلے تھین، حوضون کے گھاٹ اور تالابون کی سیڑھیون مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی ہی"

مسٹر جانسن (Jones) اپنے ایک مضمون "قدیم یونان" مین تحریر فرماتے ہین کہ،

جب یونان کی ترقی کا ستارہ عروج پر تھا تو ملیریا (Malaria) کا نام ونشان بھی نہ تھا، جیسا کہ اب یونان کی ادنی اور دیہاتی زندگی مین پایا جاتا ہی، یونان کے عہد ترقی کی کتابون مین اس بیماری کا کوئی ذکر نہین ہی، لیکن جب یونانی قعر ذلت مین گر گئے تو اوس دور تنزل کی کتابون مین تفصیل کے ساتھ اس بیماری کا ذکر پایا جاتا ہی"

ہیضہ اور طاعون خطرناک بیماریان ہین، لیکن چند برسون کے بعد ان کے اثرات ذہن سے محو ہوجاتے ہین اور آبادی پر کوئی مستقل اثر باقی نہین رہتا، ملیریا کی حالت اس سے مختلف ہے، جس خطہ مین یہ بخار پھیلا ہوا ہو وہان کے بچے ہمیشہ خراب صحت کی حالت مین ہون گے اور جوان ہوکر بھی

کمزور رہینگے، یہ خرابی مستقل ہی، اور اِس کا اثر آیندہ نسلون پر پڑتا ہی،

سیلون مین ملیریا پھیلانے والے مچھر ہندوستان سے آئے، اور جب یہ بیماری مزدور اور ادنیٰ طبقہ کو کمزور کرنے لگی تو شمالی سیلون کے باشندے اپنے خورونوش کا انتظام نہ کرسکنے کے بعد اس حصۂ ملک مین چلے گئے جہان یہ بخار بہت کم تھا، اِس کی مثال جزیرۂ مارشیس کی طرح ہی، وہان یہ بخار سنہ ۱۸۶۶ء مین پہلی مرتبہ پھیلا تھا، اور دیہاتی زندگی سخت خطرہ کی حالت مین تھی،

جن لوگون کا یہ خیال ہی کہ اِن لوگون کی تباہی کا باعث عیش پرستی تھی، یہ صحیح نہین، کیونکہ عیش پرستی سے صرف چند افراد تباہ ہوسکتے ہین، لیکن امراض کہنہ سے ہزارون شخص تباہ ہوجاتے ہین، ملیریا جس طرح ایک شخص کو تباہ کرنے والی ہی، اسی طرح قومون کو بھی تباہ کرنے والی بیماری ہی،

حکمران طبقہ کے لوگ عیش پرستی مین مبتلا ہوسکتے ہین، شہرون کے متوسط طبقہ کے آدمی بھی اسی زمرہ مین شامل کئے جاسکتے ہین، لیکن دنیا کی تاریخ مین کوئی ایسی مثال نہین ملتی کہ ادنیٰ طبقہ اور خاص طور پر دیہاتی لوگون کو عیش پرستی کا موقع ملا ہو،

سیلون کے قدیم شہرون کی ترقی کھیتون مین کام کرنے والے آدمیون پر موقوف تھی۔

اِن لوگون نے دھانون کے کھیتون مین پانی دینے کے لیے تالاب بنائے تھے، غالباً اول تباہی اِنہی ادنیٰ طبقہ کے مزدورون مین شروع ہوئی ہوگی، اور یہ بات قابل تسلیم ہی کہ اِن لوگون کی طاقت کو تباہ کرنے والا کوئی مرض کہنہ ہی ہوسکتا ہی،

سیلون کی تاریخ مین اِس تباہی کا سبب یہ بتایا جاتا ہی کہ سنہالی قوم کو تامل قوم نے تباہ و برباد کردیا، اور تامل قوم خود اون جگہون پر آباد ہوگئی، اور کچھ عرصہ کے بعد اون مقامات کو چھوڑکر جزیرۂ سیلون کے شمال کے کم زرخیز حصون مین چلی گئی، اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہی کہ اِس تباہی کا سبب سنہالی قوم کی شکست نہ تھی بلکہ اس تباہی کا راز اوس خطۂ ملک کی خرابی آب وہوا مین مضمر تھا،

مصر کے عہد عتیق کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہی کہ دریائے نیل کی وادی مین مختلف قومین آباد تھین اور مدتون تک دنیا کی تہذیب و شائستگی کا مرکز رہین، لیکن رومیون کے زمانہ مین یہ ملک نوآبادی کے لیے موزون اور درست نہ رہا تھا، اور اون کی افواج بیماری کی وجہ سے نحیف و ناتوان ہوگئی تھین، گزشتہ جنگ عظیم مین برطانیہ کی افواج یونان اور فلسطین کے اکثر مقامات پر ان بیماریون سے محفوظ نہ رہ سکین،

آجکل مصر کے ادنیٰ طبقہ مین کوئی شخص بھی ایسا نہین ہی جو کہ تین بیماریون ملیریا - انکلستومی[1] بلہارزی[2]، مین سے کسی ایک مین مبتلا نہ ہو،

یہ بتلا دینا دلچسپی سے خالی نہین کہ عہد قدیم مین ملیریا، قومون کے زوال کا ایک خاص سبب رہا ہی، نہر پنامہ کا بنانا اوس وقت تک ناممکن ہوگیا تھا جب تک ملیریا کے مچھرون کو تباہ نہ کردیا گیا،

(ملخص)

---

[1] انکلستومی Ankylostamiasis یہ بیماری سنہ۱۹۰۱ء مین انگلستان مین تحقیقات کی گئی تھی، صوبۂ متحدہ آگرہ واودھ مین ۳۰ فیصدی لوگ اِس بیماری مین مبتلا ہین، مصر مین یہ بیماری زیادہ پھیلی ہوئی ہے، ہندوستانی نوجون مین بھی یہ بیماری کثرت سے پائی جاتی ہی، فلسطین، مشرقی افریقہ، اور عراق عرب مین اِس بیماری نے نہایت خطرناک نتائج پیدا کیے ہین، باریک کیڑے انسان کی چھوٹی آنت مین چپٹے ہوئے پائے جاتے ہین اور ہروقت خون چوستے رہتے ہین، زرد چہرہ، طبیعت گری ہوئی، اختلاج قلب کی شکایت، ہاضمہ کی خرابی، نسیان کی ترقی اِس بیماری کی خاص علامتین ہین،

[2] اِس بیماری نے مصر اور دریائے فرات کنارے پر رہنے والون کو زیادہ ستایا ہے، Belharziasis

اتفاقاتِ حسنہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کی

ایک قلمی تحریر

از

جناب مولنا حبیب الرحمن خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ

گزشتہ محرم الحرام کی ساتوین تاریخ کو مین نے اول مرتبہ حضرت شیخ **عبدالحق** محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کے مزار پر انوار پر فاتحہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا، ۸ صفر المظفر کو صبح کے وقت تفاول شرعی کے طور پر دیوان حافظ دیکھا تو یہ شعر سر صفحہ نکلا ؎

ستارۂ بدرخشید و ماہِ مجلس شد　　دلِ رمیدۂ ما را انیس و مونس شد

اوسی روز دو پہر سے پہلے حضرت شیخ کی اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ کا قلمی نسخہ[1] دیدہ افروز ہوا جو آب خوردہ اور بوسیدہ ہی مگر خوشخط اور اہتمام سے لکھا ہوا،

آگے بڑھنے سے پہلے "ستارۂ بدرخشید" اور "ماہِ مجلس" کا مقابلہ "اشعۃ اللمعات" اور "مشکوٰۃ" سے کر لو، نورٌ علیٰ نور، سر صفحہ کے بائین مین یہ عبارت تحریر ہی "ترجمہ مشکوٰۃ الشریف تصنیف حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ کہ در خاتمہ کتاب دستخط حضرت شیخ درج ست بہ ہدیۂ یکہزار و دو صد روپیہ گرفتہ نواب صاحب قبلہ مدظلہ اللہ تعالےٰ"

[1] چند سال ہوئے مشکوٰۃ المصابیح کا نسخہ لا ہی جس پر شیخ نور الحق فرزند شیخ محدث کے ہاتھ کی عبارت تحریر ہی،

یہ خط کہنگی کی شان لئے ہوئے ہی، مُہرین مٹ گئی ہین اسلئے "نواب صاحب قبلہ" کون تھے معلوم نہین ہوتا، آخری آخری صفحہ کے آخر مین جو بیاض تھی اوس مین حضرت شیخ کے قلم کی عبارت جلوہ افروز ہی، خط صاف اور پختہ ہی جملہ بارہ سطرین ہین،

میر غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین حضرت شیخ کی وفات ۱۰۵۲ھ مین لکھی ہی، تاریخ وفات علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل سے برآمد ہوتی ہی، علماء اور انبیاء کی ہمزون کے دو عدد محسوب ہین، سنہ ولادت ۹۵۸ھ ہی، حضرت شیخ نے ۹۴ برس کی عمر پائی، عبارت زیر بحث کی تحریر کے وقت سن شریف ۹۱ برس کا تھا مگر خط مین ہاتھ کی کمزوری یا نگاہ کے ضعف کا ذرہ برابر اثر نہین ہی،

کاتب کتاب نے اپنا نام **محمد علی دہلوی** لکھا ہی، سنہ کتابت ہندسون مین لکھا تھا جو محکوک ہو چکے تاہم "۴" ہندسہ درمیان مین نگاہِ انداز دیکھ سکتی ہی، اِس طرح ۱۰۴۰ھ تک سنہ کتابت ہو سکتا ہی، ممکن ہی کہ ۱۰۴۹ھ مین ختم ہوئی ہو جو حضرت شیخ کی عبارت کا سالِ تحریر ہے، حاشیۂ کتاب پر حضرت شیخ کے خط سے ملتی جلتی تحریر مین اصلاحی الفاظ لکھے ہوئے ہین، اِس سے معلوم ہوتا ہی کہ نسخۂ ہذا حضرت کے مطالعہ مین رہا ہے، کیا عجب ہی کہ خانقاہ قادریہ کے کتابخانہ کے لئے لکھا گیا ہو،

چلتے چلتے قیمتِ کتاب پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے، بارہ سو روپیہ قیمت ہی، جامعہ عثمانیہ نے جو تاریخ ہند شائع کی ہی اوس مین اعداد شمار سے ثابت کیا ہی کہ آج کا روپیہ عہد مغلیہ کے روپیہ سے قیمت مین دس گنا کم ہی لہذا محفوظ طور پر آجکل کے حساب سے دس ہزار روپیہ قیمت کہی جا سکتی ہے، مصرع

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا

اب کہ شیرازۂ جمعیت بکھر چکا ہی، یورپ اور امریکہ کے مقابلہ پر مسلمانون سے (معارف کے شذرات مین) قدردانی کا سوالِ جرح، نمک بر جراحت کا کام دے جاتا ہی،

حضرت شیخ کی عبارت یہ ہی،

تمام شد تسوید این کتاب عشیۂ یوم الاربعا بست و چہارم ربیع الآخر سنہ ہزار و بیست و پنج از

ہجرت سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین و بود ابتدا تالیف

سیزدہم ذی الحجہ سنہ یکہزار و نور دہ و بہ تحقیق درآمد درمیان مشاغل دیگر از تالیفات دیگر کہ مجموع رسال

دکسری باشد۔ وتمام شد در خانقاہ قادریہ در دہلی کہ این بندہ خدمت می کند او را و جاروب امی کشد

می افروز و چراغ آنرا و بود ابتدا و ختم دریک مکان گویا در ...... [۱] ...... تمام شد مقصود بیان،

توفیق الٰہی ست سبحانہ و اعطائے وے استقامت مراد تخصیص وے تعالیٰ بندۂ مسکین را بسلامت

وعافیت والحمد للہ، اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً حررت ہذہ الاسطر علی ید مولفہ الفقیر الحقیر عبد الحق بن

سیف الدین القادری الدہلوی البخاری ضحوہ یوم الجمعہ سنہ الف و تسع و اربعین و آخر دعوانا

ان الحمد للہ رب العالمین؛

آخر میں سوال یہ ہے کہ حاضری درگاہ، مژدۂ لسان الغیب، اور اس نعمت کے حاصل ہوتے میں کوئی

بشارت ارتباط ہے؛ مصرع،

آنکس است اہل بشارت کہ اشارت داند۔

---

[۱] قیاساً،۔ ے حرف پڑھے نہیں گئے،،

مترجمات

معرکۂ علم و مذہب

(۲)

نوشتہ

مترجمہ: مولوی خواجہ عبد الواجد صاحب ندوی پروفیسر کرسچن کالج کانپور

ہم خود اپنے سب سے زیادہ معتمد علیہ دوست سے بھی مذہب پر بحث کرنا پسند نہیں کرتے کیوں؟ اس لیے کہ مبادا فریقین میں سے کسی کی دل آزاری ہو؟ نہیں بلکہ اس لیے کہ یہ سرزمین بہت ہی مقدس ہے اور اس میں انتہائی احتیاط کے ساتھ قدم رکھنا بھی تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے، غرض علم کا مطمح نظر اعلان اور مذہب کا نصب العین اخفا ہے؛ اسی لیے دورِ علم میں لوگوں کا ملجا محاضرہ گاہیں اور دورِ مذہب میں تقدس میں انکا مادی تقدس و اخفا کے مرکز پراسرار عبادت گاہیں ہوتی ہیں، یہ اسی دیرینہ اور مذہب کی فطرت میں جاگزین اخفا کا نتیجہ ہے کہ اس زمانہ کے لوگ گذشتہ کو اس قدر کم سمجھتے ہیں، قدیم معلمین (مذاہب م) نے اپنی تعلیمات کو عوام سے کیوں مخفی رکھا؟ چند منتخب متبعین کو ان کا حامل کیوں بنایا؟ جن تعلیمات کو مخفی رکھا وہ کیا ہیں؟ ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا، لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ افلاطون اور فیثاغورث حضرت عیسیٰ اور مقدس پولس کیا یہ لوگ اخفا محض اخفا کی غرض سے کر سکتے تھے؟ کیا یہ فوقیت کے ایک مصنوعی احساس کے لیے اپنی خیالی تعلیمات کو محفوظ رکھ سکتے تھے؟ اس سے قطع نظر مذہب کی تین اصلی خصوصیات یعنی اسرار، سحر اور نام نہاد خرافات کی ارباب علم و فضل کیا تشریح کر سکتے ہیں؟ کچھ نہیں، ہم کو کچھ خبر نہیں کہ اگلے زمانہ کی

پراسرار عبادت گاہون مین کیا ہوتا تھا اس لیے جب ان کے حالات پڑھتے ہین تو ہم کو ہنسی آتی ہے، جن چیزون کو ہم خرافات کہتے ہین ان کے حقیقی معنون کا ہم کو ذرا بھی علم نہین اسی لیے اپنی نادانی سے انھین خود فروشی اور وحشیانہ ہرزہ سرائی پر محمول کرکے ایک زہر خند کے ساتھ ٹھکرا دیتے ہین، علم کی نادانیون کی فہرست مین اخلاق کا نام بھی شامل کیا جا سکتا ہے، علم اگرچہ قدیم اخلاقی دستور العمل کو صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن ان کی کوئی تشریح نہین کر سکتا گر جو نئی علم کے لیے چیستان ہے، وہی مذہب کا جزء لاینفک ہے، سحر و نام نہاد خرافات کا بھی مذہب سے اتنا ہی گہرا تعلق ہے، البتہ نئی دنیا اس دفتر بے پایان کا ایک حرف بھی نہین سمجھ سکتی اس لیے اس کے حق مین یہ ویسے سربستہ راز ہین جیسے وہ مشہور مذہبی رسوم جن کے نام اب تک عیسوی مذہب کی مقدس کتاب مین موجود ہین، مگر اس کا ذمہ دار مذہب نہین کیونکہ اس کا تعلق "انا" سے ہے اور اگر ہم "انا" کے بدلہ حرف "ماحول" کے مطالعہ مین اپنی تمام عمر بسر کر دین تو ہم اسے کیسے سمجھ سکتے ہین،

گنجائش نہین ورنہ مین سحر اور پراسرار عبادت گاہون کے متعلق بھی کچھ کہتا، لیکن نام نہاد خرافات کی تقریب سے مین علم و مذہب کے ایک بہت ہی نمایان فرق کے متعلق چند کلمے کہنا چاہتا ہون، علم ہر شے کی حالت بے کم و کاست ایسے الفاظ مین بیان کرنا چاہتا ہے، جس مین ابہام یا شک کی گنجائش نہ ہو، اس کا موضوع ایسی چیزین جنکی تحقیقات پیمائش، وزن، یا مقدار کے ذریعہ سے کیجا سکتی ہے اسی لیے وہ حتی الامکان اپنے معلومات ایسے پیرایہ مین ظاہر کرتا ہے، جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے، مثلاً وہ مخصوص علامات استعمال کرتا ہے جو فی نفسہ بے معنی ہوتی ہین، فطرت کی کسی شے سے تعلق نہین رکھتین اور دانستہ تمام ذاتی یا ضمنی مدلولات سے معرّیٰ ہوتی ہین، مگر مذہب کی حالت اس کے برعکس ہے، اس کے خیالات کی تعین یا تحدید ممکن نہین، اس لیے وہ صرف اشارہ کرنا چاہتا ہے، علم کی طرح مذہب کی بھی مقررہ علامات ہین لیکن انکی حالت علمی علامات سے یک قلم مختلف ہے، مذہبی علامات کا ماخذ دنیا اور دنیا کی چیزین، آفتاب، سمندر، چٹان، جنگل، جانور، ہین حتی کہ روح کے لیے بھی کوئی خاص نام نہین، چنانچہ جن الفاظ سے اسے تعبیر کرتے ہین ان کے اصلی معنی سانس، یا ہوا ہین

علمی علامات کے برعکس مذہبی علامات کا رنگ شوخ اور مدلولات ضمنی خاص طور پر تشخصی ہوتے ہین بلکہ وہ آیندہ رفتہ مین از خود خرافات و مجازات کا قالب اختیار کر لیتے ہین لیکن اس کی وجہ یہ نہین کہ ان مین تشبیہات برمحل ہوتی ہین بلکہ عالم ناسوت مین بھی مشبہ بہ شبہ کا نمونہ ہوتا ہے، علم جب اپنی تحقیقات کے نتائج مین ضروری تصرف کے بعد ایک عام معیار قائم کر لیتا ہے تو اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے لیکن مذہب کا مقصد کبھی پورا نہین ہوتا وہ وہ برابر مجازات کے پردہ مین اپنی جستجو کا سلسلہ جاری رکھتا ہے، علم کا دائرہ بحث بقول سر ولیم جیمس، ظاہری اور نمائشی چیزین ہین لیکن مذہب کا دائرہ بحث حقائق زندگی ہین کیونکہ مذہب کی تمام مباحث کا دار مدار شعور ہے جس کی بدولت ہمین عالم محسوسات کا علم ہوتا ہے، یہی شعور ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے اگر یہ نہ ہو تو ہمارے لیے دنیا کا عدم و وجود یکسان ہے، انسانی معلومات کے متعلق قدیم و جدید دنیا کی خدمات مین جو فرق ہے اس کی تشریح شاید علم و مذہب کے مذکورۂ بالا اختلاف مین موجود ہے، جس عہد مین حقائق زندگی پر غور کیا جائے اس کے نتائج فکر یقیناً اس عہد سے زیادہ بیش بہا ہونگے جس مین صرف ظاہری باتون پر توجہ کیجائے

اس سلسلہ مین ایک اور نکتہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے، مذہب مین اگرچہ الفاظ سے کام لیا جاتا ہے لیکن مجبوراً لیا جاتا ہے، ہماری زبان کا ماخذ عالم محسوسات کے مظاہر ہین، ہمارے الفاظ ایسی چیزون کو بیان کرتے ہین جو حواس خمسہ ظاہری سے حاصل ہوئے ہین اس سے جب ان کا مابعد الطبیعی مفاہیم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو لامحالہ اس مین استعارہ کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے، جو حالت الفاظ کی ہے وہی بعینہ جملون کی ہے جب کوئی مابعد الطبیعی حقیقت ایسے الفاظ مین بیان کی جاتی ہے جو طبیعی دنیا سے مستعار لیے گئے ہین تو ایسا بیان (بعض اوقات) طبیعی اور مابعد الطبیعی دونون حیثیتون سے صحیح ہوتا ہے، مگر یہ جامعیت چندان کارآمد نہین، ایسے مواقع پر مقصود بالذات مجازی معنی ہوتے ہین، حقیقی معنون مین اگر کوئی بات ہوتی ہے تو وہ صرف یہ کہ یہ مجازی معنون کے لیے رموز کا کام دیتے ہین جو مذہب کے لیے ناگزیر ہے، مذہبی تعبیرات مین رموز کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جن دو زبانون (عبرانی و یونانی م) مین عیسوی مذہب

کی مقدس کتاب نازل ہوئی تھی ان مین سے ایک کے خزانۂ الفاظ مین عقیدہ (یا مذہب و کریڈم) کے لیے کوئی لفظ ہی نہین اور دوسری مین اسے سمبولن کہتے ہین، (جس کے لفظی معنی رمز ہین، م) اس موقع پر یہ امر سب سے پہلے قابل لحاظ ہو کہ اگر مذہب اپنے عقائد کے متعلق صاف گوئی سے کام لینا چاہے، جب اپنے ارادہ مین کامیاب نہین ہو سکتا کیونکہ الفاظ کا قدم درمیان مین آتے ہی استعارات سے مدد لینا پڑیگی، غرض اخفا مذہب کے انداز بیان کی فطرت ہے اسی سے حضرت عیسیٰؑ اپنے متبعین کو بار بار متنبہ فرماتے ہین کہ ان کے کلام کے معنی ہر کس و ناکس نہین سمجھ سکتا اسے صرف "اسی شخص کو سننا چاہیئے جو گوش (حق نیوش، م) رکھتا ہو"، کیونکہ ہر مقدس شے مخفی اور پاک چیز پوشیدہ ہوتی ہے،

علم و مذہب کے اسی اختلاف انداز بیان کا یہ نتیجہ ہے کہ دیر کو یہ دونون برسرپیکار نظر آتے ہین، کتاب مقدس کے نازل ہونے کے بعد خود دین جہالت کا ایسا سیلاب آیا کہ تمام عالم پر چھاگیا، نادان ارباب عقل کے منصب پر قابض ہوگیے، اعلان اخفا کے قدم بقدم چلنا شروع کیا، اہل علم اور ارباب تقوی دونون نے یہ تسلیم کرلیا کہ مذہبی تعبیرات مین الفاظ کی حقیقی معنی مراد ہین بلکہ اس مین یہان تک غلو کیا کہ تاویل کے احتمال سے چین بجبین ہونے لگے لیکن اگر ان بزرگون کے مسلک پر عمل کیا جائے تو مذہب کو علم سے بے لڑے شکست ہوجائے، واقعہ یہ ہے کہ مذہبی تعبیرات مین الفاظ کے معنی مراد نہین بلکہ ہم کو چاہیئے کہ انکو مجازی نقطۂ نظر سے دیکھین گرایلی کے نزدیک "کسی لفظ کی مجازی تشریح تشریح ہی نہین" استقف موصوف کو مجازی تشریح سے اس شد و مد کے ساتھ انکار سہی لیکن مقدس رسول ان کے ہمخیال نہین، حضرت عیسیٰؑ نے یہ پیشینگوئی کی تھی کہ بیت المقدس تین دن مین پھر بن کے تیار ہو جائیگا، یہودی اس کے یہ معنی سمجھتے تھے کہ اس سے یہ اینٹ چونے کی عمارت مراد ہے اور اس نافہمی پر مقدس یوحنا یہودیون کو سرزنش کرتے تھے علی ہذا قصہ ہاجرہ مین اور لوگ تو ظاہری معنی مراد لینا چاہتے تھے مگر مقدس پولس ان کی موسوی خرافات ناواقفیت پر اظہار افسوس کرتے تھے اور خود اس قصہ کو مجاز پر محمول کرتے تھے، ہمارے موجودہ مذہبی پیشوا اگرچہ گلیلی

اور یہودیا کے باشندون سے زیادہ فہمیدہ ہین لیکن حقیقی معنی مراد لے کے ان نام و نہاد خرافات کی تضحیک کرتے ہین جنھین حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواری مقدس سمجھتے تھے، طرہ یہ کہ اس کے باوجود اپنے قائم رہنے پر ماتم کرتے ہین، مگر جیسا کہ ان بزرگون کو بھی اقرار ہے اگر مرئی اشیا یا اعمال مثلاً حضرت کے مقدمہ کی سماعت اور آپ کا سولی پر چڑھایا جانا جسمانی ہین اور مذہب کا تعلق روحانیات سے ہے تو اس صورت مین "اعلی تنقید" یا "تاریخی طریقہ" کو مذہبی کتابون سے کیا سروکار ہو سکتا ہے،

مذکورۂ بالا اسباب کی بنا پر اخلاق کے علاوہ مذہبی تعلیمات کا بقیہ حصہ نام و نہاد خرافات مین نظر آتا ہے اور یہی ہونا چاہیئے، افلاطون اور بلوطارق سے بالتصریح منقول ہے کہ خرافات کا مقصد جسمانی تجربات نہین بلکہ روحانی تجربات کا اظہار ہے تاریخ کی طرح نام و نہاد خرافات بھی صحیح ہوتے ہین البتہ انکی صحت کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، ان کا تعلق ایسے واقعات سے نہین ہوتا ہے زمانہ گذشتہ مین کبھی پیش آئے تھے بلکہ ایسے واقعات سے ہوتا ہے جو اب بھی پیش آتے رہتے ہین، سلیست نام ایک جدید اشراقی کا قول ہے "کہ یہ چیزین اگرچہ کبھی پیش نہین آئین لیکن ہمیشہ پیش آتی رہتی ہین" اس قسم کے حقایق یقیناً تاریخی حقایق سے زیادہ اہم ہین کیونکہ انسان کے نقطہ نظر سے اصلی شے واقعات نہین بلکہ ان واقعات کے متعلق اس کا خیال یا احساس ہے واقعات کی اہمیت صرف اس حیثیت سے ہے کہ ان کا انسان کے شعور پر اثر پڑتا ہے، مثلاً فرض کیجیے کسی شخص کے پاس ایک حبہ نہ رہے یا اسے بے قیاس دولت ملجائے، لعنت کا طوق اس کی گردن مین ڈال دیا جائے، یا نیک نامی کا طرہ اس کے زیب دستار کیا جائے، اس کے تمام اعزہ مرجائین یا جو مرچکے ہین وہ بھی زندہ ہوجائین لیکن اسے ان انقلابات کی خبر نہ ہو یا خبر ہو مگر پروانہ ہو تو ایسی حالت مین ان انقلابات کا کیا حاصل ہوگا؟ غرض اصلی شے "ماحول" نہین بلکہ "انا" ہے وہ واقعات نہین جو بیرونی دنیا مین آتے ہین بلکہ وہ کیفیات ہین جو دل پر گزرتی ہین، ان مین سے ایک کو تاریخ اور دوسرے کو خرافات بیان کرتے ہین لیکن دونون مین، وہی فرق ہے جو مردہ لاش اور زندہ جسم مین ہے

"تاریخی طریقہ" کو اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو ایک ایسا عجیب و غریب نکتہ منکشف ہو جو اگرچہ مسلمہ خیالات کے خلاف لیکن واقعات کے مطابق ہے، تاریخ کا قابل اعتبار ہونا عالم آشکار ہے حتی کہ بعض لوگ اسے "جھوٹ کا وسیع جنگل" کہتے ہین، خواہ کوئی واقعہ ہو اس کا دار مدار روایت پر ہے لیکن ارباب روایت کے بیان مین خواہ مخواہ ہمدردی یا تعصب کی آمیزش ہو جاتی ہے، اس لیے ان کے بیان کوئی واقعہ ہو بہو نظر نہین آسکتا، ادھر تو گزشتہ واقعات کے متعلق ہمارا اور ان کی قدر و قیمت کے متعلق ہمارا اندازہ دوسرون کی بنیاد پر ہوتا ہے اور ادھر خود ہماری قوت فیصلہ تمام بیرونی اثرات، مذہب، قومیت تعلیم تربیت وغیرہ سے متاثر ہوتی ہے اس لیے اصل حقیقت کا سراغ نہین ملتا، معرکہ واٹرلو یا معرکہ جٹلینڈ اگرچہ حال مین پیش آئے ہین لیکن ان کے متعلق روایات مختلف راویون کے بیانات باہم متناقض اور شرکائے جنگ کے پیش کردہ سلسلۂ واقعات مین دانستہ یا نادانستہ غلط بیانی موجود ہے اسے ہم انداز کر سکتے ہین کہ جن واقعات کو پیش آئے ہزارہا سال گزر چکے ہین اونکی کیا حالت ہوگی، اس موقع پر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس زمانہ مین یہ واقعات پیش آئے تھے اس وقت لوگون پر جذبات کا اثر غالب تھا اس کے علاوہ ان واقعات کے متعلق ہمارے ساتھ معلومات کا صرف ایک ذریعہ یعنی روایات ہین، لیکن نہ ان روایات مین صحیح و غلط کی تحقیق کی گئی ہے اور نہ ان کے راویون کی اہلیت و صداقت کے متعلق کوئی قابل اعتبار ثبوت موجود ہے لیکن صرف اتنا ہی، کسی سادہ تاریخی واقعہ کو لیجیے مثلاً زید نے عمر کو قتل کر ڈالا، اس واقعہ سے ہم کو کیا سروکار ہے؟ یہ ہمارے لیے کس حیثیت سے دلچسپ ہے؟ لمحہ بھر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی اصلی اہمیت مقصد قتل مین مضمر ہے، زید نے عمر کی کیون جان لی؟ کس فائدے کے لیے؟ انتقام کی غرض سے؟ یا محض اتفاقاً یہ حادثہ پیش آیا؟ جبتک ان سوالات کا جواب نہ دیا جائے اس وقت تک اس واقعہ کا علم و عدم علم یکسان ہی، ایسے موقع پر قرائن سے جواب مستنبط کیا جاتا ہی لیکن قرائن خواہ کتنے ہی واضح ہون تاہم استنباط جواب کو زاید سے زاید

قیاس آرائی، کہا جا سکتا ہی، کیونکہ قتل کا مقصد ایک ایسا راز ہے جس کا علم صرف قاتل یا اس کے خالق کو ہو سکتا ہے، غرض تاریخ تین وجوہ سے ناقابل یقین ہے، واقعات کا علم روایات سے ہوتا ہے جو مشتبہ ہوتی ہین ان کے روایات کے متعلق ہمارا فیصلہ ہمیشہ قابل اعتبار نہین ہو سکتا، واقعات کی جان یعنی مقصد کے متعلق قیاس سے کام لینا پڑتا ہے،

"تاریخی طریقہ" کا استعمال مذہبی قصص کے مطالعہ مین نہ کرنا چاہیے جسمانی واقعات کے خزف ریزے روحانی حقایق کے جواہر پارون کا نعم البدل نہین ہو سکتے اس اصول پر جو قصے باقی بھی رہینگے وہ درحقیقت مٹ جائینگے، فرض کیجیے ہمین یہ معلوم ہو گیا کہ انجیل مین جس نیک نہاد سامری کا ذکر ہے وہ ابندبگو نام ایک بقال تھا جس مسافر کی اس نے مدد کی تھی وہ یونان کا ایک سوداگر تھا، جہان یہ سوداگر ٹھہرا تھا وہ امواس کے باہر ایک سرائے تھی، لیکن فائدہ؟ کیا اس سے زیادہ اس قصہ کی مٹی خراب کیجا سکتی ہے؟ انہی عامیانہ نتائج سے بچنے کے لیے مذہبی قصون مین ایسے زمانہ یا قوم کی حالت بیان کیجاتی ہے جسے گزرے عرصہ دراز ہو چکا ہی، تاریخ اگر اپنے سامعین کے دل مین اذعان پیدا کرنا چاہتی ہے تو اسے پہلے نام نہاد خرافات کا لباس اختیار کرنا چاہیے، اس کا ہمارے عمیق ترین جذبات پر اسی وقت اثر ہو سکتا ہے جب اس کے چہرۂ ابہام کا نقاب اور اس کے دوش پر قدامت کی ردا موجود ہو۔ "انسان اپنے خدمتگار کی نظر مین مقدس نہین ہوتا" "انس سے نفرت پیدا ہوتی ہے" "پیغمبر کی اپنے گھر مین وقعت نہین ہوتی" ہماری زبان کی یہ تمام امثال سب سے زیادہ مذہبی قصص پر صادق آتی ہین، مذہبی قصص اہل ایمان کے دل مین اسی وقت صحیح یا مقدس ہو سکتے ہین جب کہ وہ مخفی راز ہین، جسمانی واقعات گو صحیح ہون مگر ان مین تقدس یا اخفا کی شان پیدا نہین ہو سکتی، مذہبی تعلیم کا دار مدار رمز و کنایہ پر ہوتا ہے، بالفاظ دیگر ظاہر کے پردہ مین باطن اور صورت کے پردہ مین حقیقت مخفی ہوتی ہے، اس لیے کسی قصہ کو اس نقطۂ نظر سے تسلیم کرنا کہ اس مین ایک تاریخی واقعہ بیان کیا گیا ہے صرف غلط ہی نہین بلکہ سخت مضر ہے، اسکے

تو یہ سمنی ہین کہ ہم ایک روحانی سرگزشت کو اس کے درجہ سے گرا کے دنیاوی واقعات کی سطح لانا چاہتے ہین، مذہبی تعلیم اسی وقت واقعی صحیح ہو سکتی ہے جب وہ ماضیٔ حال مستقبل ہر زمانہ مین صحیح ہو، اگر دوسرون کے واقعات کے پیرایہ مین خود اپنی قسمت کا فیصلہ موجود نہ ہو تو انسان کو ایسے واقعات سے حقیقی سروکار نہین ہو سکتا، اسے اس تماشاگاہ عالم مین تماشہ بین نہین بلکہ تماشہ گر ہونا چاہیے شیفل نے کیا خوب کہا ہے

"حضرت عیسیٰ اگر بیت اللحم مین سو بار پیدا ہون لیکن تمھارے دل مین نہ پیدا ہون تو تمھاری روح ویسی ہی بے یار و مددگار رہیگی، کیلوری کی صلیب تمھاری روح کو نجات نہین دلا سکتی یہ کام تمھارا دل ہی خوب کر سکتا ہے"

علم و مذہب کی معرکہ آرائی تاریخ تمدن کا ایک اتفاقی واقعہ نہین، یہ اس مخالفت کا ایک منظر ہے جو انا اور ماحول یا روح اور جسم مین ہے، اس کا سلسلہ آغاز آفرینش سے قائم ہے اور انسانی اعمال کے ہر میدان مین، ہر وقت اور ہر ملک مین نظر آتا ہے، ایک نام و نہاد خرافات یا بالفاظ دیگر ایک ابدی صداقت ہے، اس کا ایک مشہور منظر فرانس اور بلجیم کے میدانون مین نظر آچکا ہے، انہی میدانون مین تجربہ کے اس نظریہ ارتقار کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا جا چکا ہے جسکی ملکہ وکٹوریا کے عہد مین اس قدر داد دیگئی تھی جدید معلومات نے جب کبھی قدیم حقیقت سنجی کے مقابلہ مین صف آرا ہونے کی جرأت کی ہے، زک اٹھائی ہے، ایسے مواقع پر جدید ظاہر بینیون کے بدلے قدیم باطن بینیون کی رہنمائی بخطر ثابت ہوئی ہے، لیکن یہ باطن بینی کیسے حاصل ہوتی ہے؟ استقرا، یا مشاہدہ سے؟ نہین، اس کیلیے وہی قدیم اور نسبتاً زیادہ فلسفیانہ قاعدہ صحیح ہے، انبیائے سلف کا قول ہے کہ "اپنے آپ کو پہچانو کیونکہ انسان ہی تمام چیزون کا پیمانہ ہے" ایسٹائن کے نو دریافت اصول کی بدولت مادیین بھی اس امر کے قائل ہو گیے کہ انا اور ماحول یا ذات اور ماسوائے ذات یہ دونون ایک ہی تصویر کے دو رخ ہین، لیکن اگر ہم ایک ہی رخ کے نقش و نگار دیکھنے مین محو رہین تو دوسرے رخ کا ذرا بھی اندازہ نہین

کر سکتے، پولی نی نس وغیرہ صوفیا کا یہ قول ہو کہ "دانش" ہی کا نام "ہستی" ہے، لیکن اسکا دائرہ اتنا وسیع ہونا چاہیے کہ ذات ماسوائے ذات یا ذات بحت اور مظاہر سے فرق کا پردہ اٹھ جائے اور دونون کو انسان اسی طرح سمجھنے لگے جس طرح اپنے افعال کے مقاصد کو سمجھتا ہے، ایک قدیم کلدانی کاہن کا قول ہے کہ "جو اپنے آپ کو جانتا ہے وہ ہر شے کو جانتا ہے" واقعی حقایق طبیعی ہون یا مابعد الطبیعی، مادی ہون یا روحانی، علمی ہون یا مذہبی ان سب کے جاننے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے لیکن اس طریقہ پر عمل کے لیے جو اصول قدما بیان کرتے ہین وہ یقیناً نفوذ کن شعاعون کے تجربات اور اخبار روشنی کے اندازہ سے کہین زیادہ صبر آزما اور محنت طلب ہین لیکن اگر اس راستہ پر چلنا ہے تو اپنا ہاتھ ان لوگون کے ہاتھ مین نہ دینا چاہیے جو قابل تقسیم مادہ کی پرستش اور ہلاکت آفرین علوم کی تکمیل کرتے ہین بلکہ ایسے لوگون کا دامن پکڑنا چاہیے جو انسانی جمعیت کے بانی اور بقاء حیات کے لیے مفید فنون کے معلم ہین،

تلخیص و تبصرہ

عربی حروف کو رومن حروف مین بدلنے کی تجویز

اہل یورپ اپنی آسانی کی غرض سے ہمیشہ اور ہر جگہ یہ تجویز پیش کیا کرتے ہین کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر زبان اون کا رومن خط (لیٹن) قبول کرلے، عربی، فارسی، ترکی اور اردو ہر زبان کے لیے انکی نیاشمانہ درخواست یہی ہے، ابھی حال مین شام مین یہ تحریک اوٹھی ہے، جو آجکل فرانس کے پنجہ مین گرفتار ہے، اس تجویز کی تائید و تشریح مین ایک فرنچ اخبار لاسیر نے حسب ذیل مضمون لکھا ہے،

آذربائجان کے ایک سیاسی مدبر محمد شاہ تاتاہتنکی نے ایک نیا طریقہ تحریر و کتابت ایجاد کیا ہے، جس سے اسلامی زبانون کے درس و تدریس مین نہایت آسانی پیدا ہوگئی ہے، اگرچہ اس طریقہ پر جس وقت آذربائجان کے پریسیڈنٹ ڈاکٹر ناریمانوف نے اس جدید طریقہ کی تائید نہایت پر زور طریقہ پر کی، اور یہ اعلان کیا کہ خود انگورا کی حکومت نے ترکی حروف کی جگہ لیٹن حروف کے استعمال کرنے کا رزیولیشن پاس کیا ہے،

چونکہ عربی حروف کے ذریعہ سے دوسری اسلامی زبانون کے تمام حروف کا تلفظ ادا نہین ہو سکتا اس لیے خود اسلامی قومون نے عربی حروف کے بدلنے کی بہت کچھ کوششین کین ہین، اور مجبوراً بہت سے حروف ایجاد کئے ہین جو اگرچہ صورۃً عربی حروف سے مشابہ ہین لیکن ان کا تلفظ ان سے مختلف ہے،

مسلمانون مین مرزا فتح اخوند اور مرزا ملکوم خان (ارمنی ایرانی) نے حروف عربی کے بدلنے کی کوشش کی ہے، اور ان مین آخر الذکر شخص نے گلستان کو اپنے ایجاد کردہ مین شایع کیا ہے، جنگ کے ابتدائی زمانہ مین مرزا ملکوم خان کے طرز پر انور پاشا نے بھی بہت سے حروف

ایجاد کیے، اور دفتر وزارت جنگ مین اُن کا استعمال جبری اور لازمی قرار دیا، جب البانیا ترکی حکومت سے الگ ہوگئی تو اس نے عربی حروف کو لیٹین حروف سے بدل دیا، اور اناطولیہ کے آرتھوڈکس ترک بھی ترکی زبان کو یونانی حروف مین لکھتے ہین،

اسی طرح کوہ قاف کے چرکسون کی زبان، ۴۰ حروف سے مرکب ہے، جو تلفظ اور کتابت دونون مین روسی زبان سے مشابہ ہے انھون نے اوبھین مین قصیدہ چرکسیہ لکھا ہے جسکا عنوان سوسرکی مین کوہ قاف کے شیعی مسلمانون نے اپنے مجتہد سے قرآن مجید کو لٹین حروف مین لکھنے کی اجازت طلب کی تو انھون نے یہ جواب دیا کہ اس سے اسلام کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ طریقہ مخالف شریعت نہین ہے، روسی حکومت نے تاتار گرغیر، اور لشکیر قومون کو اس پر نہایت جدوجہد کے ساتھ آمادہ کیا کہ وہ اپنے حروف کو روسی حروف کی شکل مین بدل دین، اور ان تغیر شدہ حروف مین جسکا نام ان لوگون نے "اکاڈیمی کے حروف" رکھا ہے، اس نے قازان مین بہت سی کتابین اور بہت سے اخبارات بھی شایع کیے،

لیکن جدید طریقہ کے بانی محمد شاہ تاتا نے اسپرنٹو زبان کے ۲۰ حروف کو لیکر آذربائجانی، عثمانی، فارسی اور عربی زبانون پر منطبق کرنا چاہا، لیکن ان کو معلوم ہوا کہ لٹین حروف کے ذریعے تمام اسلامی زبانون کی آوازون کا تلفظ نہین ہو سکتا، اس بنا پر انھون نے ۱۸ حروف کا اور اضافہ کیا جن کے ذریعہ سے ان تمام آوازون کا تلفظ ہو سکتا ہے، اس لیے ان کے پڑھنے کا طریقہ اب نہایت آسان ہوگیا، حالانکہ اس سے پہلے یہ مقصد پورے ایک سال کی محنت مین حاصل ہوتا تھا،

یہ ایک تجویز تھی جس کو دمشق کے اخبار الف یا نے ایک مضمون کی صورت مین جسکا خلاصہ اوپر گذر چکا ارکان مجمع العلمی العربی دمشق کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن مجمع نے ایک عام مباحثہ کے بعد اس تجویز کو مسترد کر دیا اور اپنے ایک ممبر پروفیسر الیاس بک قدسی سے اس موضوع پر ایک مضمون

لکھوایا جس مین مختلف دلائل سے اس تجویز کی تردید کی گئی ہے، چنانچہ ان دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

(۱) یہ غیر ضروری تبدیلی ہماری زبان کی روح سے بالکل میل نہین کھاتی، ہماری زبان سامی ہے، پھر اس کے حروف کو آرین زبانون یعنی ارمنی یونانی، سلافی، انگلوسیکسن اور لیٹن حروف کی صورت مین کیون بدلا جاتا ہی؟ اگرچہ یہ تجویز پیش کیجاتی کہ عربی الفاظ سریانی اور عبرانی زبانون مین لکھے جائین تو اسکی ایک معقول وجہ موجود تھی کیونکہ یہ دونون زبانین بھی سامی الاصل ہین، اور اس حیثیت سے اس کی شاخون مین اتحاد و اشتراک ہو سکتا ہے، لیکن اس صورت مین یہ تجویز پیش کرنی چاہئے کہ خود سریانی اور عبرانی الفاظ عربی حروف مین لکھے جائین، کیونکہ عربی زبان ان کے بعد پیدا ہوئی ہی، اور اس نے ان دونون زبانون کی اصلاح کی ہے،

(۲) اگر اس تجویز کی تکمیل کیجائے تو اس کے دو مقصد ہو سکتے ہین، ایک تو یہ کہ اس کے ذریعہ سے عجمی لوگون کو عربی الفاظ کے تلفظ مین آسانیان حاصل ہونگی، اور وہ ان الفاظ کو اپنی زبان کے حروف مین لکھ سکین گے، اور وہ اس صورت مین نہایت آزادی کے ساتھ اختراعات کر سکین گے اور اپنی اصطلاحات قائم کرینگے، مجھے اس قسم کی بہت سی مختلف اصطلاحین معلوم ہین، بلکہ ہر قوم کی اصطلاح الگ الگ ہے، مثلاً فرانسیسی طریقہ انگریزی طریقہ سے بالکل مختلف ہے، چنانچہ پیرس کے ایک پروفیسر السنہ شرقیہ موسیو بارتیلمی نے مجھ کو ایک خط لکھا جس مین میری کتاب "البوادر والفکاہات من احادیث الحیوانات" کے چند اشعار درج کیے، اور یہ سوال کیا کہ ان کے الفاظ کا تلفظ شامی لہجہ مین کیا جائے یا اس کا کوئی اور طریقہ ہے؟ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اس نے بہت سے الفاظ کے تلفظ مین غلطی کی ہے، لیکن بااین ہمہ مین ان مین اکثر کو سمجھ گیا، کیونکہ انھون نے ایک عجیب و غریب اصطلاحی طریقہ ایجاد کیا ہے، کہ وہ عین کو فرنچ حروف کے درمیان مین داخل کرتے ہین، اور ح کو حرف H کی شکل مین اور شین کو بجائے ch کے ڈبل یس ss کی شکل مین لکھتے ہین، کیونکہ ch سے

اگرچہ فرانسیسیون کے نزدیک شین کا تلفظ ادا ہو جاتا ہے، لیکن انگریزون کے نزدیک ان دونون حروف سے کبھی تو شین کا اور کبھی کاف کا تلفظ کیا جاتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستشرقین یورپ نے اگرچہ فصیح عربی زبان کو اچھی طرح جان لیا ہے، لیکن مختلف ملکون مین جو عام الفاظ بولے جاتے ہین ان سے وہ ناواقف ہین، اس کمی کے پورا کرنے کے لیے وہ لغات کی طرف رجوع کرتے لیکن ان مین بھی ان کو اس کا پتہ نہین چلتا، اس بنا پر اصطلاحات کے ذریعہ سے یہ کمی کیونکر پوری ہو سکتی ہے؟ کیونکہ عام عربی زبان مختلف عربی ممالک مین بالکل مختلف طور پر بولی جاتی ہے، دمشق کی زبان لبنان کی زبان سے مختلف ہی، حلب کا لہجہ حمص کے لہجہ سے الگ ہے، یہودیون کے محلے کا لہجہ عیسائیون کے محلے کے لہجے سے جدا ہے، غرض اسکی کوئی محدود تعداد نہین ہے اور ان کی تحدید یا تو خود وہ لوگ کر سکتے ہین جو اس زبان کو بولتے ہین، یا فونوغراف کے ذریعہ سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے، خود ہم کو اسکی ضرورت نہین ہے کہ فصیح عربی زبان کو لیٹن حروف مین لکھین، عربی حروف ہر شہر اور ہر زمانے مین اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہین، عامی زبان کے لہجے بھی کتنے ہی مختلف ہون لیکن وہ فصیح الفاظ کے تلفظ اور کتابت پر کوئی اثر نہین ڈال سکتے کیونکہ فصیح زبان کے لکھنے کا طریقہ یہ کہ حروف صحیحہ اور حروف علت خود متن الفاظ مین لکھے جاتے ہین، اور اعرابی اور صرفی حرکات ان کے گرد لگائی جاتی ہین، اس لیے اگر اُن کا تلفظ اور اُنکی کتابت صحیح طریقہ پر کیجائے تو لفظ فصیح ہوگا، لیکن حرکات لگا دینے کے بعد عام لوگ غلط یا صحیح جس طریقہ پر بھی اسکا تلفظ کرین اوس کا اثر اس فصیح لفظ پر نہ ہوگا لیکن اگر لیٹن طریقہ کتابت کے مطابق ہم حرکات کو بھی الفاظ کا جزو قرار دے لین اور عام لوگ اسی طریقہ کتابت کے موافق اپنے لہجے مین اُن کا تلفظ کرنے لگین تو چند ہی دنون مین ہماری فصیح زبان بدل کر ایک عجیب بے ڈھنگی زبان ہو جائیگی اس کا دوسرا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ مستشرقین بلکہ خود اہل عرب کی آسانی کیلئے

فصیح اور عامی زبان کے تمام الفاظ کو قید تحریر مین لایا جائے لیکن اس مین دشواری یہ ہے کہ لیٹن زبان جس مین عربی زبان کے لکھنے کی تجویز پیش کیجا رہی ہے، اس کے الفاظ کے تلفظ مین خود استحکام اور ہمواری نہین پائی جاتی، کیونکہ جن قومون کی زبانین لیٹن زبان سے مشتق ہین، وہ خود حروف کا تلفظ مختلف طریقہ پر کرتی ہین، مثلاً اگر C (سی) کے بعد کوئی حرف صوتی خفیف آجاتا ہے، تو فرنچ لوگ اس کا تلفظ سین سے کرتے ہین، لیکن جب اس کے بعد کوئی حرف صوتی ثقیل آجاتا ہے تو ان کے نزدیک اس کا تلفظ کاف سے کیا جاتا ہے، لیکن اٹالین لوگون کا طریقہ تلفظ اس سے بالکل مختلف ہے، I-E-U (آئی ای یو) کی بھی یہی حالت ہے، کیونکہ انگریز لوگ ان کا تلفظ کبھی A یعنی الف کے ساتھ اور کبھی ی کے ساتھ کرتے ہین، لفظ Action کا تلفظ فرنچ مین اکسن، انگریزی مین اکشن، اٹالین مین اسیونہ اور دوسری زبانون مین اسیو اور اکسیو کے ساتھ کیا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ لیٹن زبان کی شاخون مین ہم کس شاخ کو ترجیح دین؟ اور کیا خود لیٹن زبان کے حروف کے تلفظ مین تغیر و انقلاب نہین پایا جاتا؟ ایک حرف G (جی) کو لو کہ وہ کبھی خفیف ہوجاتا ہے اور کبھی ثقیل اور کبھی اوسکا تلفظ ف کے ساتھ کیا جاتا ہے،

(۳) پروفیسر سید انیس سلوم کا قول ہے کہ اگر ہم عربی طرز کتابت و تحریر کو بدل دین تو اس کے بعد ہمارا یہ فرض ہوگا کہ ابتدا سے آج تک عربی زبان مین جو کتابین لکھی گئی ہین سب کو آگ لگادین کیونکہ موجودہ نسل مین اگرچہ ایسے لوگ موجود ہین جو عربی زبان کو موجودہ حروف اور موجودہ طرز تحریر مین پڑھ سکتے ہین، لیکن اس تبدیلی کے بعد جب ایسی نسل پیدا ہوجائیگی جو عربی زبان کو لیٹن حروف مین پڑھنا سیکھے گی تو عربی کی مطبوعہ اور قدیم قلمی کتابین بالکل بیکار ہوجائنگی، اور ان کا مطالعہ صرف وہی لوگ کرسکین گے جو قدیم مردہ زبانون مثلاً لیٹن، یونانی وغیرہ کے سیکھنے مین اپنی عمرین فنا کردینگے،

(۴) اگر عربی زبان کے الفاظ لیٹن حروف مین لکھے جائین تو لامحالہ حرکات کو جزو کلمہ قرار دینا پڑیگا، اور اس وقت اس زبان کا نظام تمامتر درہم برہم ہوجائیگا، کیونکہ مختلف ملکون مین الفاظ کا تلفظ مختلف حرکات کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس لیے ہر شخص اپنے اپنے تلفظ کے مطابق اونکو لکھیگا اور اس صورت مین A کبھی E کبھی I اور کبھی U ہوجائیگا، اور قوم مین اس قدر مختلف زبانین پیدا ہوجائنگی جس قدر برج بابل کی تعمیر کے وقت پیدا ہوگئی تھی، مثلاً اس طرز تحریر کے روسے شط الادہم کا تلفظ مشات الادہم اور الٰہ آباد کا اللاہا آباد کرنا پڑیگا، اور بعض اخبارون مین انگریزی طریقہ کتابت کی پیروی مین یہ الفاظ اسی طریقہ پر لکھے گئے ہین،

(۵) عربی زبان سے پہلے عبرانی اور سریانی زبانون کے حروف خط میخی کی طرح الگ الگ لکھے جاتے تھے لیکن عربی نے اون کی اصلاح کردی اور حروف کو باہم ملاکر ایک مختصر طریقہ املا و کتابت پیدا کردیا، اس لیے انسان کی نگاہ آسانی کے ساتھ حروف و الفاظ پر پڑجاتی ہے، اور عربی اخبارات اور عربی کتابون کی سطرین دور دور لکھی جاتی ہین، جسکی وجہ سے آنکھ پر کوئی مضر اثر نہین پڑتا، لیکن یورپین زبانون کی سطرین قریب قریب ہوتی ہین، اور ان کے حروف بالکل کھڑی کھڑی ہوتے ہین، اور ایک کو دوسرے سے مشابہت ہوتی ہے، جس کا آنکھون پر سخت مضر اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان حروف کے پڑھنے والے زیادہ تر کوتہ نظر ہوتے ہین اور ان کو عینک کی سخت ضرورت ہوتی ہے،

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی زبان کا طریقہ تلفظ اور طرز املا اس کے معانی کے ساتھ اس زبان کے بولنے والون کی قومیت کو بھی محفوظ رکھتا ہے، تو کیا ہم چند مستشرقین کے خوش کرنے کے لیے اپنے اس سرمایہ محفوظ کو چھوڑ دینگے؟ کیا یورپین لوگ بھی اس پر راضی ہونگے کہ ان کی زبان کا طرز بدل دیا جائے؟

آلۂ حساب نما

برلن سے فارسی، عربی و ترکی کا ایک نیا رسالہ "صنائع المان و شرق" نکلنا شروع ہوا ہے، رسالہ کے پہلے نمبر مین آلۂ حساب نما (اڈیٹر) پر ایک مضمون ہے جس مین اس مفید آلہ کی تشریح کی گئی ہے، اس آلہ کی مدد سے دکاندار اور اہل تجارت بڑی بڑی جمعین اور تفریقین سکنڈون مین کرلیتے ہین، ذیل کی سطرون مین اس آلہ کی کیفیت اور طریق عمل کا حال معلوم ہوگا،

آلۂ حساب نما (آڈیٹر) کے دو حصے ہوتے ہین، جو ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہوتے ہین، ایک پر "زائد" کا نشان بنا ہوتا ہے اور دوسرے پر "ناقص"، "زائد" والے حصہ سے جمع اور ضرب مین کام لیا جاتا ہے اور ناقص والا حصہ تقسیم و تفریق کے کام مین آتا ہے،

طریقہ استعمال اعداد کے مقابل جو سوراخ بنے ہین ان مین پنسل کی نوک رکھکر عمودی شکل مین اس کو دباؤ تو رقم کی پٹریان، اوپر یا نیچے کی طرف حرکت کرین گی، سوراخ اگر "لوحۂ رقم" یعنی اعداد کی پٹری کے سفید حصے مین ہو، تو پٹری نیچے کی جانب نقطۂ (ا) کی طرف حرکت کریگی، سرخ حصے مین ہو تو پٹری اوپر کیجانب چڑھیگی اور نقطۂ (ب) تک پہنچ جائیگی، آلہ کے اوپری حصہ مین جو "نوافذ نتائج" (چھوٹے چھوٹے سوراخ جہان پر حاصل عمل کی رقم ظاہر ہوتی ہے) بنے ہوئے ہین، اُن مین تمھارے اس عمل سے نتیجہ مطلوبہ خود بخود پیدا ہو جائے گا،

کیفیت عمل رقمین جس ترتیب سے پڑھی اور بولی جاتی ہین اسی ترتیب سے اپنے مواقع پر رکھی جائینگی، پہلے درجہ ہزار کے اعداد، اس کے بعد سیکڑے۔ پھر دہائیان، اس کے بعد اکائیان ہونگی، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے اکائیان پھر دہائیان، پھر سیکڑے، پھر ہزار کے درجہ کے اعداد ہون، بلکہ ایسا کرنے مین بھی کچھ نقصان

نہین کہ وضع اور ترتیب کا لحاظ ہی نہ ہو، پہلے سیکڑے ہون پھر دہائیان، پھر درجہ ہزار کے اعداد اور آخر مین اکائیان ا— مگر جن اعداد کا بالکل صحیح حساب مطلوب ہے ان کی وضع اور ترتیب کا خیال ضروری ہے،

آلہ کے اجزا کو دو مختلف رنگون مین رنگا گیا ہے، تاکہ رقمون کی جگہین دیکھنے مین آسانی ہو، فرض کرو کہ ۸،۷،۶،۵ کی رقم لکھنی ہے تو سب سے پہلے آلہ کے دوسرے رنگین حصہ مین ۸-۷-۵ (دائین طرف ۸ پھر، پھر ۵) کو لکھین گے پھر اسی طرح پہلے حصہ مین ۶-، رکھین گے،

کسی قسم کا حسابی عمل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ (نوافذ نتائج) کو رقمون سے خالی کرکے صفر کی حالت مین کر دیا جائے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آلہ کے اوپری حصہ مین جو ڈنڈی ہے اس کو وہان تک کھینچ لیا جائے جہان تک وہ حرکت کرسکتی ہے اس کے بعد اپنی جگہ پر پہنچا دیجائے،

عمل جمع جوڑ کا عمل آلہ کے اس رخ پر ہوگا جس پر (زائد) کا نشان بنا ہے، یہان پر ہم ایک واضح مثال دیتے ہین، فرض کرو ہم کو ۱۳۶۵۰ مین ۲۲۴۹۸۲ جوڑنا ہے تو ہم اعداد کو حسب ذیل شکل مین رکھینگے ۱-۳-۶-۵-۰ یعنی ان رقمون کو، انکی حسابی جگہون کو ملحوظ رکھتے ہوئے، سیکڑون کی جگہ پر سیکڑے، دہائی کے مقام پر دہائی، اکائی کے موقع پر اکائی اور کسور کی جگہ پر کسور کو، نقطۂ (ا) کی طرف والے سوراخون مین اُتارینگے لیکن صفر رکھنے کی ضرورت نہین کیونکہ وہ تو اصل مین موجود ہے،

پھر ۴، ۲، ۲ کو اسی طریقہ سے نقطۂ (ا) کی طرف اتار کر رکھا جائیگا لیکن ۹-۸ کی رقمین سرخ خانہ مین ہونے کی وجہ سے اوپر نقطۂ (ب) کی طرف چڑھائی جائینگی پھر ۲، کی رقمین سفید خانہ مین ہونے کے باعث نیچے نقطۂ (ا) کی طرف اتار لی جائینگی، اس عمل سے "نوافذ نتائج" مین حاصل جمع کی رقم ۳۷۶۳۲، خود بخود ظاہر ہو جائیگی،

عمل تفریق فرض کرو، ۶۱۲۸۳ سے ۸۸۰۲۵ نکالنا ہے، تو سب سے پہلے "نوافذ نتیجہ" کو رقوم سے خالی کرکے صفر کی حالت مین کر دینگے، پھر رقم ۶۱۲۸۳ کو نشانِ (زاید) والے رُخ پر رکھکر آلہ کو اس رخ سے

سے گھمائین گے جس پر "ناقص" کا نشان بنا ہے، پھر اعداد ۰ ۰ ۷ کو اوپر چڑھائین گے (کیونکہ یہ رقمین سرخ حصہ مین ہونگی) اور ۲ ۰ ۵ کو نیچے کھینچین گے (کیونکہ یہ رقمین سفید خانہ مین ہونگی) اس عمل سے خوانذ نتیجہ مین خود بخود حاصل تفریق ۴۸ ۵ ۷ ۷ ۵ کی رقم ظاہر ہو جائیگی، اسی طریقہ سے بنک کا حساب بھی ہوتا ہے اور اس کے نتیجے نہایت سرعت کے ساتھ حاصل ہوتے ہین،

سرخ اشارہ کی پٹری

اس پٹری کے ظاہر ہونے سے، عمل کا اجرا نہین رک جاتا، مگر بعض اوقات اثنائے عمل مین یہ اشارہ کی پٹری ظاہر ہو جاتی ہے، اس کا ہٹا دینا ضروری ہے، اس کے ہٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ "صفر" کی پٹری کو نقطہ (ب) تک کھینچ لیا جائے تو اس وقت صحیح رقم ظاہر ہو جائیگی،

یہ سرخ اشارہ، عمل کو باستمرار جاری رکھنے سے خود بخود ہٹ جاتا ہے، آدمی کو جب آلہ استعمال کی مہارت ہو جاتی ہے تو اسے اس سرخ علامت کے ہٹانے کی ضرورت نہین پڑتی وہ اپنا عمل جاری رکھتا ہے اور یہ علامت خود بخود ہٹ جاتی ہے مگر بعض وقت اسکی وجہ سے عدد مطلوب کی حرکت رک جاتی ہے، تو اس وقت اس علامت کو ہٹانا ضروری ہو جاتا ہے،

اس آلہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ استعمال کی غلطی کو خود درست کر دیتا ہے، کیونکہ رقمین اسی طرف حرکت کر سکتی ہین جس طرف ان کو حرکت کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص غلطی سے غیر سمت کی طرف ان کو حرکت دے، وہ حرکت نہ کرینگی، اور ان کے رک جانے سے عمل کی غلطی کا پتہ لگ جاتا ہے اور عمل کرنے والا رقم کو انکی صحیح سمت کی طرف حرکت دینے لگتا ہے، بغیر اس کے کہ سوراخ سے پنسل کی نوک کو ہٹائے،

ترک خواتین اور تمدن جدید

آج ہندوستان کی عورتون مین فرنگی مآبی کا جو شوق پیدا ہو گیا ہے، اس سے زیادہ یہ

وبا ترکی عورتون مین پھیل گئی ہے، اس لیے ایک ترکی رسالہ ایجی نے اس کو قدیم مشرقی وضع اور اسلامی شعار کے مخالف سمجھکر اس پر تنقید کی ہے، افغانستان مین بھی یہ وبا پھیل رہی ہے، اس لحاظ سے اخبار الامان افغانستان (جلد چہارم، شمارہ ۹) نے بھی افغانی عورتون کے انتباہ کے لیے اس مضمون کو فارسی زبان مین نقل کیا ہے، اور ہم بھی ہندوستانی عورتون کی عبرت و بصیرت کے لیے اوسکا خلاصہ درج کرتے ہین، قیصر روم نے، روم مین داخل ہونے سے پہلے جبکہ وہ اٹالین پہاڑون سے گذر رہا تھا، ایک چھوٹے سے گانؤن کو دور سے دیکھکر اپنے ہمرکابون سے کہا کہ قبل اس کے کہ مین روم مین دوسرا شخص شمار کیا جاؤن، میری خواہش یہ ہے کہ مین اس گانؤن کا پہلا شخص بنون، ہماری خواتین کو بھی قیصر کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہئے،

آج سے پہلے پچاس سال تک قسطنطنیہ کی عورتین، مشرقی دنیا کی عورتون کے حقیقی درجہ پر فائز المرام تھین، اور شکل و صورت، تربیت، اخلاق، اور چال ڈھال کے لحاظ سے، شام، مصر، تونس، کوہ قاف ایران بلکہ ہندوستان کی عورتین بھی خواتین قسطنطنیہ کو عام نسوانی اسلام کا تاج افتخار سمجھتی تھین، اور اس وقت خواتین قسطنطنیہ انسانی عورتون مین وہی درجہ رکھتی تھین جو آج یورپین عورتون مین فرنچ لیڈیون کو حاصل ہے بلکہ اونکی قدر و منزلت فرنچ لیڈیون سے بھی زیادہ تھی،

لیکن جب انھون نے یورپین وضع اختیار کی اپنے درجہ سے بالکل گر پڑین اور اگر انکی یہ وضع ایک مدت تک قائم رہی تو ان کا درجہ اس سے بھی فروتر ہو جائیگا، اور چند دنون کے بعد مشرقی دنیا مین رومی، ارمنی اور بلغاری عورتون کے برابر بلکہ ان سے بھی پست تر ہو جائینگی، لیکن کیا پیرس، وائنا، اور امریکہ کی لیڈیان رومی اور ارمنی متمدن عورتون کے برابر دوش بدوش کھڑا ہونا پسند کرینگی؟

اگرچہ آج بھی ترکی خواتین کی قدر و منزلت بہت کچھ قائم ہے، کیونکہ ابھی تک انھون نے اپنی قدیم وضع کو بالکل نہین چھوڑا ہے لیکن اگر چند روز یہی حالت قائم رہی تو وہ اپنے قدیم درجہ کو چھوڑ کر بالکل ایک یورپین لیڈی بنجائینگی،

پیر لوتی[1] نے اپنے افسانۂ مصور مین استامبول کی خواتین کی نسبت رموز و کنایات مین بہت پر معنی باتین لکھی تھین، لیکن ہم نہ صرف یہ کہ اُس کے ان رموز و کنایات سمجھ سکے، بلکہ اوسکی کتاب کے عنوان و نام "دختران ناشاد" کا مفہوم بھی ذہن نشین نہ کرسکے، حالانکہ لفظ "دختران ناشاد" سے اس کا مقصود یہ تھا کہ ترکی خواتین جو فرنگی طور و طریق اختیار کرکے حرم اسلام کے سحر و افسون سے محروم ہو رہی ہین، ان کے نتائج بد سے ہم کو آگاہ کردے، اور اس لیے فرنچ لفظ کا ترجمہ "دختران ناشاد" کے بجائے ہم کو یہ کرنا چاہیے کہ وہ لڑکیان جو اپنے سحر و افسون کو ہاتھ سے دے رہی ہین،، اس طرح پیر لوتی نے درحقیقت ہم کو ہمارے عالم نسوان کے متعلق بڑے خطرہ سے تنبیہ کیا تھا لیکن ہماری بدبختی کی انتہا یہ تھی کہ ادھر فرنچ اہل قلم ہم کو یورپین تمدن کے خطرات سے آگاہ کر رہا تھا اور ادھر ترک اہل قلم ترکی خواتین کی فرنگیت کے حسن و خوبی کے ترانے گا رہے تھے، ترک فسانہ نویسون مین رحمی بے اور شعراء مین ضیا بے اپنی خیالی تصویرون مین اونکو عروس فرنگی بنتا دیکھکر خوش ہو رہے تھے،

عبدالمجید خان اور عبدالعزیز خان کے زمانہ مین ترکی عورتون نے اپنی وضع مین کسی قدر تغیر پیدا کرلیا تھا اور قدیم عورتون سے بہت کچھ مختلف ہوگئی تھین، اس وقت مصری عورتین بھی انکو

[1] معارف:- یہ ایک فرانسیسی اہل قلم تھا جو ترکی قوم پر عاشق تھا، ترکون کی حمایت مین اس نے متعدد کتابین لکھی ہین، ترکون نے اس کے اس احسان کے اعتراف مین قسطنطنیہ کی ایک سڑک کا نام "شارع پیر لوتی" رکھا تھا، مگر انگریزون نے اپنے قبضہ کے زمانہ مین اسکا نام بدلدیا (یہ واقعہ خود پیر لوتی کی زبانی پیرس مین معلوم ہوا تھا، ابھی چند مہینے ہوئے کہ اس نے انتقال کیا،)

دنیائے اسلام کا ایک جدید نمونہ سمجھکر پسند کرتی تھین، اور اس زمانہ مین مغرزین یورپ نے بھی اپنی سیاحت قسطنطنیہ کے جو حالات لکھے ہین ان مین عورتون کے متعلق تعظیمی خیالات ظاہر کئے ہین، اگر آج تک ترقی کی یہی صورت قائم رہتی تو آج ترکی عورتین اپنی مطلوبہ آزادی بھی حاصل کرلیتین اور اونکو یورپین لیڈی بننے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی، لیکن یورپین اور روشن مدارس اور مخصوص تربیت گاہون نے اُن کو ترقی کے اس طبعی راستے سے ہٹا کر بالکل بیراہہ رو کر دیا، اس وقت ممتاز خاندانون کے عورتون کی وضع جو بالکل یورپین قالب مین ڈھل گئی ہین ہمارے سامنے ہے، اور اگر تمام ترکی عورتون نے یہی وضع اختیار کرلی تو پچاس سال مین ترکی قوم کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے بالکل مٹ جائیگا، کیونکہ آئندہ نسل ترکی زبان کو فراموش کرکے دین، مذہب، قومیت، غرض تمام قومی اور مذہبی خصوصیات سے معرا ہو جائیگی، بہرحال ہم اس تنقید کو صرف ایک سلبی صورت مین طول نہین دینا چاہتے، تاہم اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہین کہ ہمارے درمیان ایک محدود تعداد کے سوا تمام ترکی مرد اور عورت عورتون کی اس روش کو ناپسند کرتے ہین اور اونکی متفقہ خواہش یہ ہے کہ اس ملک کے عورتون کی ترقی قومی بنیاد پر ہونی چاہیے، لیکن اسکی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

میرا خیال ہے کہ دنیا مین جو کچھ ہوتا ہے وہ تمامتر ہوا و ہوس کی جلوہ آرائی ہے، اس لیے جن عورتون نے یورپین وضع اختیار کی ہے وہ بھی اس ہوا و ہوس کا نتیجہ ہے، لیکن آج جبکہ اس فرنگی مآبی کا تجربہ ہو چکا ہے، اگر قسطنطنیہ کی ذکی الحس عورتون کے دل مین یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ یورپین لیڈیون کے صف پائین مین بیٹھنے کے بجائے اونکو دنیائے اسلام کی عورتون کا پہلا درجہ حاصل کرنا چاہیے، تو اونکی وضع مین انقلاب شروع ہو جائیگا، اور بالآخر حرم مین ترکی عورتونکو جو درجہ حاصل تھا وہ آج اس آزادی کے زمانہ مین بھی ان کو حاصل ہو جائیگا اور اس شوق کے پیدا ہونے کے بعد وہ اپنی وضع کو بدل کر قدیم مشرقی اور اسلامی زیب و زینت کو دوبارہ واپس کرینگی،

مین نے اپنے دوستون کے سامنے جب اس خیال کو ظاہر کیا تو انھون نے کہا کہ، چونکہ یورپین وضع کا نمونہ پہلے سے موجود تھا اس لیے اس کا اثر بہت جلد ظاہر ہوگیا، لیکن اس وقت قدیم شرقی وضع بالکل مٹ چکی ہے، اس لیے ترکی خواتین کو بالکل معجزانہ طور پر اس وضع کو دوبارہ زندہ کرنا پڑیگا، لیکن ہم کو اس سے مایوس نہین ہونا چاہیے، اگر ناول نویس، افسانہ نگار، مصور فنون لطیفہ کے دوسرے ماہرین اس معاملہ مین عورتون کی اعانت کرین تو وہ اس جدید طلو وضع کو پیدا کر سکتے ہین،

اخبار علمیہ

سر جمیس ولسن نے ٹائمس کے تجارتی ضمیمہ مین دنیا کے گیہون کی پیداوار کے اعداد شایع کیے ہین، ان کا خیال ہے کہ اس سال گیہون سستا ہوگا، کناڈا مین گذشتہ سال ۳۸۰۰۰۰۰۰ کوارٹر گیہون ہوا تھا، اس سال ۴۰۰۰۰۰۰۰ کوارٹر ہے، ارجنٹائن مین سنہ ۲۲ئ مین ۲۳۰۰۰۰۰۰ کوارٹر، اور اس سال ۲۷۰۰۰۰۰ کوارٹر تمام ممالک کا وہ گیہون جو باہر بھیجا جائیگا، اس سال ۱۱۷۰۰۰۰۰۰ کوارٹر ہے لیکن اصل ضرورت ۹۲۰۰۰۰۰۰ کوارٹر کی ہے، پس باہر بھیجنے کے بعد بھی ۲۵۰۰۰۰۰۰ کوارٹر فاضل بچ رہیگا،

گذشتہ تجارتی سال ۲۳-۱۹۲۲ء کے اعداد مظہر ہین کہ ہندوستان کی درآمد ۲۳۳ کروڑ کی کمی واقع ہوئی ہے، لیکن اس کے مقابلہ مین برآمد مین ۴٫۰۳ کرور کا اضافہ ہوا ہے،

گذشتہ سال ۱۴۱۲۲۰۰۰۰ روپیہ کا سونا ۲۰۵۶۰۰۰۰ روپیہ کی چاندی آئی اور ۱۳ لاکھ کا سونا ۲۵۴۰۰۰ کی چاندی گئی، درآمد مین برطانیہ کا ۶۰۰۲ اور برآمد مین ۲۱٫۸ حصہ ہے،

انگلستان کے ایک مقام ہرو-اڈن، (دی، ہل) مین ۲۸ جون سے ۵ جولائی تک ایک تاریخی تماشا کھیلا گیا، اس تماشا مین اس علاقہ کی ساتوین صدی سے سترھوین صدی تک تاریخ پیش کیگئی تھی اور ۲۶۰۰ آدمیون نے اس مین حصہ لیا تھا،

جاپان مین درختون کی قطار سے ایک محرابی شکل پیدا ہوگئی ہے، یہ محرابی صورت ۵۰ میل

نکو سے نمدا تک یکسان قائم ہے،

کنری جزائر مین ایک عجیب قسم کا درخت پایا جاتا ہے، یہ درخت روزانہ شام کے وقت پانی برساتا ہے، اس کو درخت باران کہتے ہین،

حال کا ایک تجربہ بتاتا ہے، کہ ہم اب تک بال کے بہ عجلت وکثرت پیدا کرنے پر قادر نہین ہوئے ہین، حلق، دوا، یا پیٹر ولیم وغیرہ سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہین ہوتا،

السکا مین ویل مچھلی کا اتنا بڑا سر ملا ہے کہ اسے لیجانے کے لیے آرے سے اٹھ ٹکڑے کرنے پڑے،

اب تک پہاڑ، پتھر، مکان یا قلعہ کے اڑانے کے لیئے ڈائنامیٹ سے کام لیا جاتا تھا، لیکن ایک ماہر کیمیا نے ۸۰ فی صدی (۱) ہوتیم نائٹریٹ اور ۱/۲ برادۂ چوب سے ایک نئی چیز بنائی ہے جو خصائص کے لحاظ سے اول الذکر سے بدرجہا بہتر اور خرچ مین اس کا ۱/۲ ہے،

ایک انگریز سائنس دان پروفیسر والر نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے، جس سے تمام جذبات انسانی — رنج ومسرت، تکلیف وراحت خوف واطمینان معلوم کیے جا سکتے ہین، اس آلہ کا نام گلو دنو میٹر (Galvanometer) ہے، اور کلائی یا بازو پر لگایا جاتا ہے،

مگر فرانسیسی ڈاکٹر مین گاٹ کا خیال ہے کہ انسانی جذبات، سانس کی آمد ورفت اور ان کی تیزی وسستی سے معلوم ہو سکتے ہین، دوسرے اشخاص بھی اکسریز کے ذریعہ اس مطالعہ

کر سکتے ہین،

گذشتہ ستمبر کے کسوف کے وقت آفتاب کی جو تصویرین لی گئی تھین ان سے انسٹین کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے،

لندن مین ایک انکشافی مہم ترتیب دیجا رہی ہے جو پیسفک کے تمام راز ہائے سربستہ منکشف کریگی، مشہور ماہرین فن جنوبی سمندرون تک جائینگے، اور وہان کے تاریک مقامات پر ایک عالمانہ روشنی ڈالین گے، اس موہم مین اسٹریلیا کے منکشف کپتان کک کا پرپوتا بھی ہے

اکسفورڈ یونیورسٹی نے، پریسی ڈنسی کالج کے استاد تاریخ ڈاکٹر یو، گھوشال کی تاریخ "ہندوستان کے سیاسی نظریون کی تاریخ" شائع کی ہے، یہ تاریخ تقریباً ۲۵۰۰ سالون (ابتداء عالم تاریخ سے ستر ھوین صدی عیسوی تک) کے حالات پر محیط ہے، آخر مین مصنف نے ہندو سیاست کا مغربی سیاست سے موازنہ کیا ہے،

---

۸ مئی ۱۹۲۳ء کی مجلس رائل ایشیاٹک کے جلسہ مین بیان کیا گیا کہ سوسائٹی کی ایک صدی کے تکمیل کی یادگار مین، جمیس فرلانگ فنڈ سے ایک رقم حاصل کرکے کرنل ہڈسن کی کتاب "ہند کا ابتدائی تمدن" شایع کیجائے،

مجلس تراجم مشرق، "اساطیر موسیٰ" اور تاریخ البنہ شایع کرنے والی ہے، اول الذکر

کو ڈاکٹر گسٹر نے اور دوسرے کو مسٹر ولڈ نبنڈل نے اڈٹ کیا ہے،

اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پرائز پبلیکیشن فنڈ دوسو بندھو شائع کررہا ہے، یہ مذہب بدھ کے سردستو یدن اسکول پر ہے اور دھرم کے لفظ پر بھی کافی بحث ہے، اس کا مرتب مشہور روسی مستشرق شر بٹسکی ہے،

رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نائب صدر سر ہنری ہاورتھ، "مغلون کی تاریخ" کو جو اب معدوم ہے، مبسوط طریقہ پر شائع کرنے کا ارادہ کر رہے ہین،

انگلستان اپنی طبعی صورت بدل رہا ہے، اور ایک اخبار کی رائے ہے کہ چند ہی سالون کے بعد ہم کو اپنے طبعی نقشے بدلنے پڑینگے،

برطانوی صناعون نے کپڑون کو عام طور سے بننے کے بجائے اب نئے آلات کے ذریعہ سوئیون سے تیار کرنا شروع کیا ہے اور ماہرین کا خیال ہے کہ اس طرح بنے ہوئے کپڑے کم قیمت بھی ہونگے،

گذشتہ نومبر کے خوفناک زلزلہ کے بعد جس مین شہر کو کمبو تقریباً اپنے ۸۰۰ باشندون کے بالکل تباہ ہوگیا تھا، جزیرہ مشرقی (ایسٹر آئی لینڈ) کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا، لیکن اب خبر آئی ہے کہ وہ جزیرہ غائب ہوگیا، یہ جزیرہ چیلی سے ۲۵۰۰ تھا، اس کا طول ۱۲ میل، اور عرض زائد از زائد ۴ میل تھا،

آثار علمیہ و ادبیہ

غدر دہلی کا نوحہ

یادگار مفتی صدرالدین خان آزردہ

غدر کے زمانہ مین دلّی کی تباہی و بربادی پر جو مرثیے لکھے گئے، ان مین سالک کا مرثیہ معارف مین شایع ہو چکا ہے، لیکن اس ہوائے عام کا اثر تمام ذی حس انسانون پر یکسان پڑا اور اکثر شعرا نے دلّی کا نوحہ لکھا، جن مین اس وقت ہم کو مولوی صدرالدین خان آزردہ کا مرثیہ ہاتھ آگیا ہے، جس کو ہم معارف مین شایع کرتے ہین،

مولوی صدرالدین خان آزردہ شاہجہان آباد کے مفتی اور وہان کے کبار علما مین تھے اس لیے ہم کو انکی ذات سے یہ توقع تھی کہ انھون نے دلّی کے علم دلی کے تمدن اور دلی کی بہترین معاشرت کی تباہی و بربادی کا ماتم کیا ہوگا لیکن جب کسی قوم پر تنزل و ادبار کے دن آتے ہین، تو اوسکی توجہ تمامتر زیب و زینت، عیش و عشرت، اور رقص و سرور کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور ان چیزون کا زوال اس کے لیے ماتم و نوحہ کا ایک بڑا سبب بنجاتا ہے،

افسوس ہے کہ مولوی صدرالدین خان آزردہ بھی باوجود ثقاہت و متانت کے اس مرض متعدی سے محفوظ نہ رہ سکے، اور انھون نے بھی علم و فضل و تمدن و معاشرت کو چھوڑ کر زیور بامن مطرب اور ساقی وغیرہ کے فقدان کا مرثیہ لکھا ہے،

غالباً اس زمانے مین تنزل کا یہ بدترین اثر ہے جو اس مرثیہ پر پڑا ہے، ورنہ ان کے علاوہ

دلی مین رونے اور رولانے کے اور بھی بہ کثرت سامان موجود تھے،

آفت اس شہر مین قلعہ کی بدولت آئی — وان کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی

روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی — کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

گوش زد تھا جو فسانون سے وہ آنکھون دیکھا

جو سنا کرتے تھے کانون سے وہ آنکھون دیکھا

جن کو دنیا مین کسی سے بھی سروکار نہ تھا — اہل دنیا اہل سے خلط انھین زنہار نہ تھا

انکی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا — آدمی کیا ہے فرشتے کا بھی وان بار نہ تھا

وہ گلی کوچے مین پھرتے ہین پریشان در در

خاک بھی ملتی نہین اُن کو کہ ڈالین سر پر

زیور الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا — بھاری جھومر بھی کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا

گاچ کا جن سے دوپٹہ نہ سنبھالا جاتا — لاکھ حکمت سے اُڑھاتے تو نہ اوڑھا جاتا

سر پہ وہ بوجھ لیے چار طرف پھرتے ہین

دو قدم چلتے ہین مشکل سے تو پھر گرتے ہین

طبع جو گہنے سے پھولون کے اذیت پاتی — مہندی ہاتھون مین لگا سوتے تو کیا گھبراتی

صبح سے شام تلک نیند نہ اُن کو آتی — ایک سلوٹ بھی بچھونے مین اگر پڑ جاتی

ان کو تکیے کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا

سنگ پہلو سے اٹھایا تو سرھانے رکھا

جن کو بے دوش پرستار نہ چلتے دیکھا — صبح سے شام تلک عطر ہی ملتے دیکھا

کبھو بیدار نہ سورج کے نکلتے دیکھا — پاؤن آئے بھی کروٹ کو بدلتے دیکھا

وہ ہین اور دشت ہے اور گریہ ہے اور نالے ہین

قدم اٹھتا نہین پاؤن مین پڑے چھالے ہین

عیش و عشرت کے سوا جنکو نہ تھا کچھ بھی یاد — لٹ گئے کچھ نہ رہا ہوگئے بالکل برباد

ٹکڑے ہوتا ہے جگر سن کے یہ انکی فریاد — پھر بھی دیکھین گے الہی کبھو دہلی آباد

کب تلک داغ دل ایک ایک کو دکھلائین ہم

کاش ہو جائے زمین شق تو سما جائین ہم

دیکھ سکتے نہ تھے جس بات پہ وہ اڑتی تھے — صلح سے زیادہ مزہ تھا جو کبھو لڑتے تھے

پاؤن رکھتے تھے کہین اور کہین پڑتے تھے — آنچلون سے تری مقیش پڑے جھڑتے تھے

ان کو رونے کے سوا شغل نہ کچھ رہتا ہے

ایک دریا ہے کہ آنکھون سے پڑا بہتا ہے

عطر صندل مین جو دامن کو بسایا کرتے — کنٹھے موتی کے گریبان مین لگایا کرتے

بیٹھ خلوت مین جو زلفون کو بنایا کرتے — یہ سنگار آئینہ کو بھی نہ دکھایا کرتے

اب نہین کچھ بھی انھین زلف پریشان کی خبر

نہ گریبان کی خبر اور نہ دامان کی خبر

روز بن ٹھن کے نکلنا وہ جوانون کا کہان — بیٹھنا ناز و ادا سے وہ دکانون کا کہان

شور ہر کوچے سے ٹپون کے وہ تانون کا کہان — لطف ساقی کا مزہ اور وہ گانون کا کہان

اب وہ مغنی نہ رہا اور وہ ساقی نہ رہا،

دھوتی بندون کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا

شکل ایسی کہ خدا اس کو نہ پھر دکھلادے — انکی پوشاک کو جو دیکھین تو پھرتے آدے

نظر آجائین اگر وہ سر راہے گاہے ۔۔۔ خون اپنا کرے یا اُن کا یہی جی چاہے

جن کے ہاتھون سے نہ لین بیر بھی دو کوڑی کے
چاندنی چوک مین پھرتے ہین وہ ایسے گیلے

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے ۔۔۔ سر ہے اور جوش جنون سنگ ہے اور چھاتی ہے

ٹکڑے ہوتا ہے جگر جی مین یہ بن آتی ہے ۔۔۔ مصطفےٰ خان کی ملاقات جو یاد آتی ہے

کیونکہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

رسائل خلافت

مصنفہ

مولانا سید سلیمان ندوی

خلافت اور ہندوستان، تواریخ سفرنامون آثار وکتبات، شاہی فرامین اور سکون کی مدد سے اسلامی ہندوستان کے تعلقات مختلف خلافتہائے اسلامیہ کے ساتھ دکھائے ہین، قیمت ۸ ر

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس مین تاریخی اور اثری حوالون، اور مورخین یورپ کے بیانات سے یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت عثمانیہ ہمیشہ دنیائے اسلام کی نمائندہ رہی ہے، اور دنیائے اسلام نے اسکی اس حیثیت کو تسلیم کیا ہے، اور خلافت کی حیثیت سے دولت عثمانیہ نے بلاد اسلامیہ کی کیا کیا خدمتین انجام دی ہین، قابل دید رسالہ ہے، قیمت ۸ر

خلافت اور دنیائے اسلام، مولٰنا کے سفر یورپ کے نتائج ہین، اسمین دکھایا ہے کہ اس وقت سیاسی حیثیت سے اسلامی ممالک کس حالت مین ہین اور خلافت کے مسئلہ مین اپنی اپنی جگہ پردہ کیا جد وجہد کر رہے ہین اور انمین سیاسی انقلابات کہان تک پیدا ہوئے ہین قیمت ۶ر

ادبیات

سازِ عمل

از جناب شبیر حسین صاحب جوش ملیح آبادی

اے نظام ہردو عالم، اے مدارِ کائنات ۔۔۔ اے کہ تیرے حکم پر موقوف کارِ کائنات

اے کہ تیری ہر نظر صورت طرازِ زندگی ۔۔۔ اے کہ ہر ایما ترا مضراب سازِ زندگی!

کیا پھنسانا چاہتا ہو مجھ کو تدبیرون مین تو! ۔۔۔ کیا جکڑنا چاہتا ہو مجھ کو زنجیرون مین تو؟

کاوشِ ہستی پہ کیا مامور کرتا ہے مجھے؟ ۔۔۔ کام کرنے کے لیئے مجبور کرتا ہو مجھے؟

مین بھی دون کیا ظلم سے ہر مہربانی کا جواب؟ ۔۔۔ مین بھی بجاؤن سوالِ زندگانی کا جواب؟

فکر مین کچھ بھی کرون کیا آج کل کے واسطے؟ ۔۔۔ حکم ہو مین بھی اٹھون ذوقِ عمل کے واسطے؟

زور کیا، جس طرح بھی چاہے ستا سکتا ہو تو
لیکن اتنی بات کیا مجھ کو بتا سکتا ہو تو؟

جھومتی گردون پہ تیرے حکم سے آتی ہو کیا ۔۔۔ نشے مین ڈوبی ہوئی برسات کی کالی گھٹا؟

عکس ہو تیرا ہی کیا یہ حسن کے رخسار مین؟ ۔۔۔ سُرخ ڈورے تونے ہی ڈالے ہین چشمِ یار مین؟

تو ہی کیا در پردہ لرزش دے رہا ہو حسن کو ۔۔۔ تو ہی اس شدت سے جنبش دے رہا ہو حسن کو؟

کیا یہ تونے ہی بھری ہو ضوء خورشید آب مین ۔۔۔ کیا یہ تیرا ہی تبسم ہے شبِ مہتاب مین؟

اور کیا یہ تو ہی ہو جو نازسے وقت سحر ۔۔۔ مسکراتا ہو دھندلکے کا دریچہ کھول کر؟

یہ اگر سچ ہے تو پھر تو کیون ستاتا ہی مجھے؟
کس لیئے بیکار دیوانہ بناتا ہے مجھے!

تابش توحید بھی ہے جلوۂ اصنام بھی!
وعظ ہشیاری بھی ہی اور بادۂ گلفام بھی

حکم استقلال ہی ترکیب سیمابی کے ساتھ
ساز بیداری ہی سامانِ گرانخوابی لیئے؟

دل ڈبوئے دیتی ہی موجِ نگاہِ برق پاش
"بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش"!

ہوش اس طوفان مین شاعر کو آسکتا نہین
جوش دل کا اس قدر سختی اٹھا سکتا نہین

خواہش بادہ نہین آنسو ہی پینے دے مجھے
زندگی کے راز سے واقف ہون جینے دے مجھے

ڈالنا ہی بار ہی مجھ پر تو اچھا ڈال دے
پہلے ان جلوون پہ لیکن بڑھ کے پردہ ڈال دے

میرے کانون تک جو پہنچاتا ہو پیغام حیات
بند کردے بند سازِ نغمہائے کائنات

حسن کو بیباکیان کرنے نہ دے اس طور سے
اور اگر یہ ہو نہین سکتا، تو ہان سن غور سے:

بجلیان جس نخل پر گرتی ہون پھل سکتا نہین
تیری اس دنیا کا مجھ سے کام چل سکتا نہین
مین پرون کو تولتا ہون، آشیانے کو سنبھال
یہ ہو دنیا، اور اپنے کارخانے کو سنبھال

(جواب)

اے پرستارِ حقیقت، شاعرِ شیرین مقال
اے کہ برقِ طور کا پرتو تری شمعِ خیال

کشورِ ہستی مین مشقِ فتنہ انگیزی نہ کر
اے شکایت کرنے والے! اس قدر تیزی نہ کر

ننگِ استقلال کو ترکیبِ سیمابی نہ کہہ
سازِ بیداری کو سامانِ گرانخوابی نہ کہہ

غیر فانی کو سمجھ، اشکالِ فانی دیکھ کر
کوہ بنجا کوہ، دریا کی روانی دیکھ کر

یہ گھٹائین جھومنے والی، یہ حسنِ دلنواز
زندگی کی کشمکش کے ان مین پوشیدہ ہین راز

غم کی لے کا زیر و بم ہے سانس کی آمد مین
آتشین نغمے چھپے ہین زندگی کے ساز مین

زندگی تیری ہی جد و جہدِ بے پایان جنگ
عرصۂ ہستی حقیقت مین ہی اک میدان جنگ

یہ مناظر قدرتی، دنیا کے اس طوفان مین
ساز گویا بج رہے ہین جنگ کے میدان مین!!!

ہم نے جو سامان کیئے تیرے جگانے کے لیئے
تونے یہ سمجھا کہ ہین غفلت بڑھانے کے لیئے

ہوش مین لانے کی شے، بیخود بناتی ہی تجھے
جس سے نیند اڑ جائے، اوس سے نیند آتی ہی تجھے!

بادبان کو دیکھ، کشتی ہی تری طوفان مین
نیند تجھکو آرہی ہی جنگ کے میدان مین

تجھ پہ طبلِ جنگ کا الٹا ہوا نادان اثر
پھینکدی تلوار کیون تونے کمر سے کھولکر!

زندگی کے جام سے سرشار رکھنے کے لیئے
گرم ہی فطرت تجھے بیدار رکھنے کے لیئے

یہ ستارے جن کی ضو سے مست ہی تیرا وجود
کانپ کر کہتے ہین "ننگِ آدمیت ہی جمود"

صبح حورین جھانکتی ہین چرخِ نیلی فام سے
تا نہ دل اکتائے تیرا کثرتِ آلام سے

چاندنی راتین ہین دل کو گدگدانے کے لیئے
ترشیِ کلفت مین شیرینی ملانے کے لیئے

شمع ڈورے اسلیئے رکھتی ہین چشمِ سرمگین
تا نہ گھبرا جائے تو محنت کی تلخی سے کہین

حسن سے ہم نے کہا ہی مسکرانے کے لیئے
کام مین تجھ کو بآسانی لگانے کے لیئے

دوڑتی ہی جن سے روحِ عمل انسان مین
ساز بجتے ہین اسی سے جنگ کے میدان مین

سامنے جلوے اگر ہون، آنکھ آسکتی نہین
ساز کی لے پر جو محنت ہو، تھکا سکتی نہین

تجھکو جد و جہد کی ترغیب دینے کیلیئے
حسن ہی جذبات کو ترتیب دینے کے لیئے

حسن کیون بیباک ہے اتنا سمجھا دو بدگمان — تا نہ محویت مین کچھ محسوس ہو تجھ کو نکان

ہرج ہو گر دفعۃً جل جائے ہر بار حیات — ہم اگر خاموش کر دین نغمہائے کائنات

ساز سے رنگین ہے اسٹیج کا قلب و دماغ — پردے ساکت ہون، تو بجھ جائین تماشے کے چراغ

اک سکون ہے ارتعاش زندگی کے واسطے — حسنِ مرہم ہے خراشِ زندگی کے واسطے

صرف مرہم ہی نہین ہے دل جلون کے واسطے — بلکہ اک صورت ہے تازہ ولولون کے واسطے

ڈوبنے پاتا نہین انسان خیالِ یاس مین — حسن سے وہ پھول کھلتا ہے دلِ احساس مین

تال دینے کے لیے موجود ہین شمس و قمر — رقص کر اپنے فرائض کی گتون پر رقص کر!!

جب یقین ہے یہ کہ تو مل جائے گا کل خاک مین

آج تو ہلچل مچا دے گنبدِ افلاک مین!!!

شیخ مصحفی کی مثنوی بحر المحبت

مرتبہ مولوی عبد الماجد صاحب بی اے

قدیم اساتذۂ اردو کے غیر مطبوعہ کلام کا ایک صفحہ بھی کہین مل جائے تو غنیمت ہے، شیخ مصحفی کی یہ مثنوی اب تک نہین چھپی تھی، ملک کے مشہور مصنف مولوی عبد الماجد صاحب نے نہایت محنت سے اس کو مرتب کیا ہے، اس پر حواشی چڑھائے ہین، مقدمہ لکھا ہے، مثنوی مین استاد مصحفی نے ایک دلچسپ افسانہ لکھا ہے، معارف پریس مین چھپی ہے، قیمت ۱۲ر

"منیجر"

اوراقِ پارینہ

صمدنیات

یا

کتاب خانۂ صمدن مین چند لمحے

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب، ایم آر اے ایس

(۲)

"انتخاب اخلاق ہندی کا" بگرہ، یا لڑائی کے عنوان سے ہے، اس کا فقرۂ افتتاحی اوسکی تفصیل پر دال ہے، "تب راجہ کے بیٹون نے کہا کہ مہاراج! ہم نے کتھا سنی، اب تیسری نقل بگرہ یعنی جنگ کی بیان کیجئے کہ اس کے سننے سے ہم مستفیض ہووین، پنڈت نے کہا یون سنا ہے کہ کسی وقت خشکی اور تری کے جانورون مین لڑائی ہوئی تھی، آبی جانورون کا بادشاہ قاز اور خشکی کے پرندون کا ہدہد تھا، باوجودیکہ قاز کا لشکر زیادہ تھا! پر ہدہد نے اپنی دانائی اور تدبیر سے اوس پر فتح پائی، ۔۔ راے زادون نے پوچھا کہ مہاراج! وہ کیونکر ہے اسے مفصل بیان کیجیے،"

بحر و بر کے پرندون کے اس موعظت آموز افسانہ نے ۱۰ صفحے لیے ہین، ضمناً بعض دلچسپ و نتیجہ خیز حکایات بھی آگئی ہین،[1]

[1] میر بہادر علی حسینی نے اس کتاب (اخلاق ہندی) کو ۱۸۰۳ء مین لکھا تھا، اس کا ماخذ فارسی مفرح القلوب ہے جو خود سنسکرت سے لی گئی ہے۔ مہا مقبول،

سکنتلا، ایک انگوٹھی کا پُردرد قصہ سنسکرت سے ماخوذ ہے، یہ بھی ایک مشہور افسانہ ہے، مستقل کتابی حیثیت سے بازارون مین بھی بکتا ہے، تھیٹرون کے اسٹیج پر مختلف وضع و لباس مین اسکی جلوہ گری و کرشمہ سازی روز کی بات ہے، کتاب کی زبان سلیس، روان و راثر ڈالنے والی ہے، ہندی کی لغات و تلمیحات کا استعمال مفرط بتاتا ہے کہ اوس کو کسی ہندو انشاپرداز نے اپنی زبان مین لیا یا اگر افسانہ نگار ہندو نہ تھا تو اوسکے قلم نے اس تصویر مین اصلی سنسکرت کا رنگ روغن برقرار رکھنا پسند کیا ہے، قصہ پورا نقل کر دیا گیا ہے، قطع و برید سے ناکمل افسانہ بے لطف و بدمزہ ہو جاتا، لکھنے والے کے آخری کلمے یہ ہین،

اب یہ کہانی یہان تمام ہوئی، اے جوان بلفظ و معنی سے بخوبی تمام ہوئی، از بسکہ زبان ریختہ مین لکھی

سال ہجری کے موافق ریختہ تاریخ ہوئی،

سکنتلا کا جو احوال اِس مین ہے مذکور   سکنتلا کے اسی نام سے کیا مشہور

لفظ ریختہ سے سال ہجری ۱۲۱۵ نکلتا ہے، قارئین کرام ان وداعی جملون پر اصل قصہ کی زبان کا قیاس فرماوین، مجھے یاد ہے کہ جب تک سر رشتہ تعلیم یو سپی کی عنان ادارت راجہ شیو پرشاد سی ایس آئی کے دست قدرت مین تھی تو یہ قصہ (سکنتلا) بھی داخل نصاب امتحان مڈل تھا ۱۸۸۵ء تک؛

اس کے بعد جو مین قسم کے مضامین آتے ہین اون کے عنوان غالباً انگریزی مین قائم کرکے قالب اُردو مین ڈھالے گئے ہین، چنانچہ Pleasant Tales **حکایات لطیف درعبارت سلیس** in an easy style کا ترجمہ ہے، اس مین ترپن (۵۳) حکایات ہر قسم کی داخل ہین، ہر ایک کے اوپر نمبر شمار بھی ڈال دیا ہے، یہ حکایات دلچسپ اور سبق آموز ہین عموماً کسی مشہور اور فائدہ بخش ضرب المثل کی بنیاد پر تیار کی گئی ہین، مطول بھی ہین مختصر بھی، متین بھی، ظریفانہ بھی، اکثر اب تک زبان زد عوام اور پرانے طرز کے

لے اس کے لکھنے والے کاظم علی جوان ساکن دہلی تھے، دہلی سے لکھنؤ اور لکھنؤ سے [illegible]ء مین کلکتہ آئے، فورٹ ولیم کالج مین ملازم ہوئے [illegible]ء مین یہ قصہ اُردو مین لکھا، سکنتلا کی کہانی [illegible]ء مین نواز کبیشر نے برج بھاکا مین لکھی تھی، منقول از مقدمہ تذکرہ، :

لائٹ لٹریچر کی جان ہین، اعادہ کی ضرورت نہین، البتہ فضول لفاظی اور شوخ بیانی کی دو مثالین سُن لیجیے،

”۵۰. حکایت = سُنا ہے کہ ایک شخص اپنے لڑکے کو کسی بزرگ کے پاس لے گیا اور عرض کرنے لگا کہ پیر مرشد! اس ناشدنی کو حضور خاص مین رکھئے اور ایسی تعلیم کیجیے کہ جس سے یہ اشرافون کی خو پکڑے، مرد آدمی بنے، یہ بات سنکر بزرگ نے کہا کہ بابا! اچھا چھوڑ جاؤ، اگر خدا کرے گا تو بہر صورت آدمی ہو رہے گا، غرض اوس نے اس لڑکے کو وہان چھوڑا اور اپنے گھر کا رستہ پکڑا، بعد دو چار دن کے حضرت نے ارشاد کیا کہ میان لڑکے! دنیا بے بنیاد ہے اور عرصہ زندگی کا تنگ، جس سے بہتر یہی ہے کہ بدی سے ہاتھ اُٹھاؤ نیکی پر دل لگاؤ، اگر نیکی کروگے تو اشراف کہلاؤگے، بھلون مین شمار کیے جاؤگے، یہ بات سنتے ہی وہ دریدہ دہن بولا کہ حضرت سلامت آپ کے کہنے پر یہ شعر سوجھتا ہے، بیت

شیخ کی صحبت مین گرچہ کوئی کھینچے ہزار
آدمی ہوتا نہین پر شیخ چلی ہو تو ہو

۴۹. حکایت، شیخ فرید ایک روز ہاتھ منھ پر پھیرتے تھے، ایک ظریف نے آکر پوچھا شیخ کیا کرتے ہو؟ کہا ہاتھ منھ پر ملتا ہون، بولا ہاتھ کو عربی مین ید کہتے ہین، اور ید اور بد کی صورت خطی ایک ہے، بد نجاست کو کہتے ہین، بس نجاست منھ پر ملتے ہو، شیخ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ بولا میرا نام حاجی، شیخ نے کہا حاجی اور جاجی کی ایک شکل ہے، جاجی گوشۂ کمان کو کہتے ہین، کمان اور گمان کی شکل ایک طرح ہے، گمان شک کو کہتے ہین شک اور سگ کی ایک صورت ہے، پھر سگ کے کہنے کا کیا اعتبار؟“

منتخبات اشعار از شعرائے ہند، کا انگریزی عنوان Poetical extracts from Hindoostani authors ہے، اس مین مجموعاً تر غزلین مختلف شعرا کی، مختلف بحور اور اوزان کی ہین، ایک سے زیادہ کسی صاحب کی نہین، پہلی غزل کو چھوڑ کر باقی غزلین شعرا کے تخلص کے حرف اول کی ترتیب سے درج کی گئی ہین، غزلون کے ردیف و قافیہ کی یا حروف اخیر کی پابندی

نہین کی گئی، شاید اِس وقت یہی سِلسلہ پسند کیا جاتا ہو، یا ممکن ہو کہ کسی تذکرہ سے یہ غزلین اوسی کے سِلسلہ پر (شعرا) سے اُٹھالی گئی ہون، تقدم کا شرف علی گڈھ کی غزل کو بخشا گیا ہی، جو تاج و تخت پانے سے پہلے شاہزادہ عالی گوہر تھا، پھر شاہ عالم ہوا اور دنیائے سخن پر آفتاب بنکر چمکا، دوسرا نمبر وزیر کا ہوتا ہی، یہ قدرتاً نواب آصف الدولہ کا حق تھا، ان کے حصہ مین آیا، ان کے بعد بہت سے مشہور اور بہت سے غیر معروف شعرا کا کلام ہی، تخیُّل اور زبان کے لحاظ سے انتخاب برا نہین کہا جا سکتا، اگرچہ اس سے بہتر بھی ممکن تھا، دو ایک غزلین ایسی بھی شامل کر لی گئی ہین جن مین کچھ ندرت تھی یعنی ایک مصرع فارسی مین دوسرا اردو مین، چند غزلین فقیرانہ صداؤن کے لئے زیادہ موزون تھین یا کاسۂ گدائی کا ہار ہو تین، انتخاب کنندہ نے اپنے مجہول الاحوال دوستون کو بقائے دوام کی خلعت پہنا کر بندہ احسان بنانا چاہا ہے، غالب حصہ فورٹ ولیم کالج کے نو مشق یا کہن سال اساتذہ کی شاعری نے پایا ہے، تین چار غزلون کو کسٹی صاحب نے "اسٹڈی" فرمایا اور مطالعہ کے وقت معانی و مطالب کو جابجا انگریزی مین لکھ لیا ہے،

سرودہائے مروجہ ریختہ کا تعجب خیز عنوان ....

سے اوڑایا گیا ہی، اس کے تحت مین اکثر غزلین لی گئی ہین، ترتیب مین کوئی سِلسلہ ملحوظ نہین رکھا گیا نہ تو شعرا کے نام و تخلص کا، نہ شعرون کے اخیر حرف کا، مین نہین کہہ سکتا کہ اوس وقت کے اہل علم طبقہ مین "سرود" کا مفہوم کیا تھا، نہ مین اس فن سے آگاہ ہون، چار چھہ کو چھوڑ کر اوزان و بحور کے اعتبار سے مجھ ایسے عامی کے نزدیک اکثر غزلون مین راگ و رنگ کے دخل و قبض کی گنجایش بھی نہین پائی جاتی، ان اکثر چیزون مین تمام تر (قدیم تقسیم کے موافق) غزلین ہین، سودا کی پندرہ، رضا کی نو، آصف کی پانچ، ولی کی چار، اور اورون کی دو دو، اور ایک ایک، شاہ عالم بادشاہ کی ایک غزل شہ عالم تخلص سے ہی، دوسری آفتاب سے دو ہولیان ہین اور دو تضمینین، گل بکاؤلی مین شادی والی نظم پڑھنے کے بعد ضمیر اور جوان کی گفتار کے رنگین پر شوخی و حیا کی کا الزام کون رکھ سکتا ہی، ان ہولیون مین اس بڑے تیوہار کے متعلق بہت سے

معلومات، پردہ نشینون کے مراسم و عادات اور حُسن فروش طائفہ کی زیب و تزئین کے اہتمام و تکلفات، باہمی چہلون اور رنگ پاشیون کا اچھا خاصہ نقشہ کھینچ دیا ہی، اون کی جادو بیانی آج بھی اپنا کام کرتی اور سوا ڈیڑھ سو برس پہلے کی بزم آرائی و جشن مسرت کی تصویر پیش کر دیتی ہی،

من حیث المجموع، یہ مجموعۂ انتخابات بہترین علمی و ادبی میراث ہی، انیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین اردو کی بے بضاعتی، علوم و فنون کے سرمایہ و ذخائر کی کمی، کتابون کی ناپیدائی سے پوچھئے کہ یہ نو جواہر پارے کہان کہان سے تلاش کر کے لائے ہو اور کن چابکدست دستکارون سے عروس علم و کمال کے لیئے یہ نولکھا ہار تیار کرایا ہی؟

اولیائے مطبع کمال تشکر کے مستحق ہین جنھون نے ایسی صحت و احتیاط کے ساتھ اسکو طبع کرایا، دانایان فرنگ کے تتبع مین بعض جدت پسند حضرات اب چند اوقاف و علامات کا استعمال کرنے لگے ہین، مگر سزاوار صد مدحت و تحسین وہ بزرگان متقدم ہین جنھون نے ۱۸۰۱ء مین رسم خط اردو اور آہنی چھاپہ مین گوناگون کمالات ذہنی اور اختراعات علمی و ادبی دکھا کر حسب ذیل نشانات و رموز شائع و ذائع کئے،

پورے فقرہ کے ختم پر ۔	واو مجہول پر ہ	واو مفتوح ماقبل کے لیے ۰
مخاطبہ کے وقت ، !	یائے مجہول کے لیے جب کلمہ کے اندر آجاوے ےٓ	ڈال کے لیے، ڈ
سوال کے ساتھ، ؟	ضمہ کے لیے حرف کے متعلق ؙ	ڑے کے لیے ڑ
سلسلۂ کلام جاری رکھنے کیلئے ۔	فتحہ کے لیے ،، ،، َ	ٹے کے لیے ٹ
جزم کے لیے، ْ	کسرہ کے لیے ،، ،، ِ	

ان کے سوا یائے معروف و مجہول کی تفریق رائج کی، مد، تشدید اور تنوین کو قلمبند کیا، زواید اور تراجم کو بین القوسین ( ) تحریر کیا، امتیاز کے لیئے نام اور ذیلی سرخیان عربی حروف کے کسیقدر باریک ٹائپ مین درج کین، جان گلکرسٹ اور اس کے فرنگ نژاد رفقائے کار کے سوا، یہ طرۂ افتخار و مباہات کس پر زیب دیتا ہی؟!

خدا رحمت کند، این عاشقان پاک طینت را!

مطبوعات جدیدہ

تاریخ الامت حصہ سوم، جامعہ ملیہ، اسلامیہ علی گڈھ کے شعبہ تصنیف نے اپنی مختصر سی عمر مین علم و ادب کی جس قدر خدمتین انجام دی ہین وہ ملک کے لیے مایۂ افتخار اور ہزار شکریہ کی مستحق ہین، اسی شعبہ کی طرف سے مولنا حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری امت اسلامیہ کی مکمل تاریخ لکھ رہے ہین، جس کے دو حصے (عہد نبوت، اور خلافت راشدہ کے حالات) شایع ہو چکے ہین، اب اس کا تیسرا حصہ پریس سے آگیا ہی، جس مین خلفائے بنی امیہ کے عہد کے حالات ہین، یہ کتاب ۶۴۵ صفحات پر ختم ہوتی ہے ۲۲۵ صفحات تک تو عام حالات ہین جن کو متداول کتب تاریخ سے احتیاط اور تحقیق کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، مصنف کی اصل محنت کا پتہ ۲۲۵ سے ۶۴۵ تک صفحات سے چلتا ہی، جن مین انھون نے بنی امیہ کے اسباب زوال اور اوس عہد کے تمدن کا نقشہ کھینچا ہی، چھپائی اور کتابت کے لحاظ سے بھی کتاب قابل قدر ہے، قیمت عہ پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ علی گڑھ۔

بصائر القرآن، علیا حضرت فرمانروائے بھوپال نے اپنی ریاست کے دفتر تاریخ کو قصص انبیا ترتیب دینے کا حکم دیا تھا، جس کی تعمیل مین دفتر مذکور کے مددگار مہتمم جناب مولوی محمد مہدی صاحب نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہی، اس مین انبیا کرام کے ان تمام واقعات اور صرف اون واقعات کو ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہی، جو قرآن مجید مین مذکور ہین، ہر قصہ کے آخر مین ان نتائج اور اسباق کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہی جو ان قصص کا اصل اور مقصود ہین، اس بنا پر یہ مجموعہ ان خرافات کی آمیزش سے پاک ہے جو انبیا علیہم السلام کے قصص مین راویون نے داخل کر دیئے ہین، آجکل مسلمانون کو بچون کی تعلیم کے لیے اس قسم کی کتابون کی ضرورت ہی، قیمت عہ پتہ ظل السلطانہ بک ایجنسی بھوپال،

رباعیات حکیم عمر خیام، مشرقی شعرا مین یورپ کی قدر دانی کی بدولت خیام اور اوس کی رباعیات کو جو درجہ حاصل ہو گیا ہے وہ مخفی نہین، یورپ کی متعدد زبانون مین رباعیات کے ترجمے ہو گئے ہین، عربی مین بھی اوس کا ترجمہ چند سال ہوئے کہ شایع ہوا ہی، ہندوستان مین فارسی زبان گو بہت کچھ سمجھی جاتی ہی، اور اسلئے رباعیات کے ترجمے کی ضرورت یہان کے لوگون کو محسوس نہین ہوئی، تاہم اردو زبان کی ترقی کے لیئے اس کے ترجمے کی ضرورت تھی، نیز خالص اردو دان طبقہ کو اسکے خیالات تک پہنچنا ممکن نہ تھا، ایسی حالت مین جناب مولوی حافظ جلال الدین صاحب جعفری زینبی کی یہ کوشش مستحق تعریف ہی کہ اونھون نے رباعیات خیام کو اردو ترجمہ اور شرح کے ساتھ شایع کیا، ترجمہ عموماً صحیح ہی، مگر کتابت قابل تعریف نہین، بعض مواقع پر کتابت کی غلطیون نے شارح کے مفہوم کو مختل کر دیا ہی، مطبع انوار احمدی الہ آباد مین چھپی ہی، قیمت عمار پتہ منیجر انوار احمدی پریس الہ آباد،

نقش بدیع، جدید حالات علوم، سیاسیات، اختراعات و ایجادات، اور یورپین تمدن کے لوازم نے عربی کی طرح فارسی کو بھی بیحد متاثر کیا ہی، چنانچہ قدیم وضع کے فارسی خوانون کے لیے آج ایران کی کسی جدید فارسی کتاب یا اخبار اور رسائل کا سمجھنا تقریباً ناممکن ہے، سخت ضرورت تھی کہ ان جدید فارسی لغات و محاورات کو یکجا کر کے اون کی تشریح کی جائے، جناب مولوی وجاہت حسین صاحب عندلیب شادانی نے اپنے چند احباب کی اعانت سے اس ضرورت کو رفع کیا یعنی فارسی کا ایک جدید لغت نقش بدیع کے نام سے شایع کیا جس مین تقریباً ... فارسی کے جدید الفاظ و محاورات کو جمع کیا ہی جن کو اہل زبان تو بولتے ہین مگر متداول کتب لغت مین موجود نہین قیمت عہ دکان شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور،

منتخبات اردو، یہ ایک مختصر سی درسی کتاب ہی، جسے گجرات قومی یونیورسٹی کے لیے پروفیسر اے ٹی گڈوانی وائس چانسلر کی فرمایش سے مولوی سید ابو ظفر ندوی پروفیسر السنہ مشرقیہ گجرات

قومی یونیورسٹی واحمادویالی نے ترتیب دیا ہی، کتاب مین ایسے مضامین کا انتخاب کیا ہے، جو بچپن سے طلبہ کے دلون مین حریت اور وطن خواہی کی روح پیدا کر سکتے ہین، قومی مدارس اور مکاتب کے لیے یہ مجموعہ مفید ہو اس کے زیادہ تر اسباق حالات حاضرہ تاریخ اسلام اور قومی ہندوستان کے متعلق ہین اور قومیت کے صحیح جذبات کی تلقین و تربیت کرتے ہین، قیمت ۸ رہو گی، پتہ گجرات قومی یونیورسٹی احمادویالی

مصباح الاسلام، یہ جناب مولوی حکیم محمد ذکی صاحب کامل فتحپوری کی تصنیف ہو جس مین مرحوم نے اسلام کی تعلیمات پر منکرین مذہب اور دیگر مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہین اون کا رد کیا ہو، مرحوم کے حقیقی بھائی منشی سراج احمد صاحب صبا سب انسپکٹر پولیس ضلع ایٹہ نے مطبع سرمۂ طور ایٹہ سے شایع کیا، آج کل جبکہ اسلام پر بعض مخالفین کا نرغہ ہو، یہ کتاب بالکل بروقت شایع ہوئی ہو، طرز تحریر قدیم رنگ کی ہو، قیمت ۸ رپتہ شیخ ریاض احمد صاحب چشتی قصبہ فتح پور سیکری ضلع آگرہ،

ہندو مذہب کی معلومات، ہندو مسلمانون مین جو اکثر تصادم ہوجایا کرتا ہے اس کی وجہ ایک دوسرے کے مذہب سے عدم واقفیت ہے، شکر ہو کہ اس نکتہ کو بہت سے ہندو اور مسلمانون نے سمجھا، ہندؤن مین سے کئی اہل قلم نے اسلام پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہو، مسلمانون کو شاید ہندو مذہب پر غور کرنے کی کم فرصت ملی لیکن جناب خواجہ حسن نظامی صاحب اس ضرورت کو بہت دنون سے محسوس کرتے ہین، چنانچہ اون کی کتاب کرشن بیتی مقبول عام ہو چکی ہو حال مین اسی احساس کو ملحوظ رکھتے ہوئے خواجہ صاحب نے ایک مختصر سا رسالہ ہندو مذہب کی معلومات شایع کیا ہو جس کے آخر مین نواب امین جنگ بہادر کا عالمانہ مضمون "فلسفۂ ملل ہنود" بھی شامل ہو، کیا دوسرے مسلمان اہل قلم بھی اس قسم کی خدمتون کے لیے تیار ہین؟ اس اہم ضرورت کے لیے کتاب اس قدر مختصر ہو کہ ناظرین کو خواجہ صاحب سے تفصیل کی درخواست کرنی پڑیگی، قیمت ۸ رپتہ کارکن حلقۂ مشائخ بک ڈپو، دہلی،

مجلد یازدہم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ مطابق نومبر ۱۹۲۳ء | عدد پنجم

مضامین